جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں۔

نام کتاب	عبادت اور تعظیم
تقاریر	سید العلماء علامہ علی نقیؒ
تالیف	عابد عسکری فاضلِ قم
ترتیب نو	قلب علی سیال
کمپوزنگ	الحمد گرافکس لاہور (فضل عباس سیال)
ناشر	معراج کمپنی لاہور
تاریخ اشاعت	2014ء
طبع	اوّل
قیمت	

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔

فون: 0321-4971214/0423-7361214

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

مکرمی ومحترمی ______________ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''معراج کمپنی'' دینی کتب کی اشاعت کے حوالہ سے ایک جانا پہچانا ادارہ ہے۔ادارہ عرصہ دراز سے دینی کتب کی اشاعت میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارے کا مطمع نظر عوام تک بہتر اور سستے ترین انداز میں کتب کی ترسیل ہے۔اللہ تعالیٰ ادارہ ھذا کو اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے بھرپور وسائل عطا فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب ''عبادت اور تعظیم'' سید العلماء علامہ علی نقیؒ کی پانچ مجالس پر مشتمل تقریری مجموعہ ہے۔جس میں عبادت اور تعظیم میں فرق کو واضح کیا گیا ہے عبادت صرف اللہ کے لئے ہے۔کسی اور چیز یا کسی اور شخص کیلئے عبادت نہیں ہو سکتی۔مگر جہاں تک تعظیم کا تعلق ہے، تو اس کیلئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم پرہیزگاری کا ایک جزو ہے۔تو اس سے یقیناً واضح ہوجاتا ہے کہ عبادت اور چیز ہے اور تعظیم اور چیز ہے۔قارئین حضرات اس سے بھرپور استفادہ کریں۔

اُمید ہے آپ ادارہ ہذا کی اس کوشش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور کتابِ ھذا سے بھرپور استفادہ کریں گے اور سید العلماء کی قدردانی کا حق ادا کرنے میں بھی کوشاں رہیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔والسلام

معراج کمپنی لاہور

فہرست مضامین

مجلس اول	6
شعائرِ الٰہیہ	6
مصائب	30
مجلسِ دوم	32
شعائرِ الٰہیہ	33
مصائب	49
مجلسِ سوم	53
شعائرِ الٰہیہ	54
مصائب	69
مجلسِ چہارم	71
شعائر الٰہیہ	72
مصائب	86
مجلسِ پنجم	88
شعائر الٰہیہ	89
مصائب	110

❁❁❁❁❁

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِيْ كِتَابِ الْمُبِيْنِ وَهُوَ اَصْدَقُ الصَّادِقِيْنَ

مجلس اول

- جو ذات اتنی محبوب ہو کہ عارضی تعلق اُس کے جسم کے ساتھ جو ہو، وہ مرکز نظر پروردگار ہوجائے تو قبر مطہر جس سے جسم کا مقام تصور میں دائمی ہوتا ہے، وہ قبر مطہر مرکز نظر پروردگار نہیں ہوگی؟ اور کیا اس کے تعظیم وتکریم شرک ہوجائے گی؟
- حضورؐ پاک کا اسم شریف سن کر کھڑا ہونا، ہم اس جذبۂ تعظیم کو بآوازِ بلند درود کے وسیلہ سے انجام دیتے ہیں۔
- بے شک حضورؐ کا نام سن کر ہر وقت کھڑا ہوا کریں تو بہت اچھا، مگر یہ اپنے امکان کی کمی ہے کہ ہر دفعہ کھڑے ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ تعظیم نہیں ہے، علامتِ تعظیم ہے۔ اگر ہر مرتبہ آنحضرتؐ کا نام آنے پر کھڑے ہوں، تب بھی حقِ تعظیم کہاں ادا ہوگا۔
- پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے دنیا کی کسی فقہ کی کتاب میں نہیں دیکھا کہ باپ کیلئے سنت ہو کہ بیٹی کی تعظیم کرے۔
- میرے نزدیک تو جنابِ رسولؐ خدا اسی لئے بیٹی کی تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے، وہ فاطمہؑ کی تعظیم نہ تھی بلکہ اس منصب کی تعظیم تھی جو فاطمہؑ کے سپرد تھا۔

شعائرِ الٰہیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴿۳۲﴾

(جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ عمل دلوں کی پرہیزگاری کا ایک جزو ہے۔)

ارشادِ حضرت احدیت ہے، سورۂ حج میں ارشاد ہوا کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ عمل دلوں کی پرہیزگاری کا ایک جزو ہے۔ ابھی فرض کیجئے کہ اللہ کے شعائر کے معنی معلوم نہ ہوں کیونکہ شعائر کا لفظ ان عربی الفاظ میں سے نہیں ہے جو اُردو کا جزو بن گئے ہیں۔ بہت سے عربی کے الفاظ اُردو میں اس طرح استعمال ہوتے ہیں جیسے اصلاً وہ اُردو ہوں مگر شعائر کا لفظ ایسا ہے جو بس مجالس وغیرہ میں اور اہل علم سے سنا ہوگا۔ عام طور پر اردو میں استعمال نہیں ہوتا۔ تو ہوسکتا ہے کہ کوئی اس ترجمہ سے شعائر کے معنی نہ سمجھے۔ میں بھی اسے شاید آج بیان نہیں کرونگا، کل اس کی نوبت آئے گی کہ میں شعائر کے مفہوم کی تشریح کروں۔ مگر جب یہ الفاظ سنے کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ عمل تقوٰی و پرہیزگاری کا جزو ہے، تو اسی سے ہر صاحبِ فہم مسلمان کو یہ نتیجہ نکال لینا چاہئے کہ تعظیم میں عبادت نہیں ہے، اس لئے کہ عبادت کیلئے کہا گیا ہے:

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

''سوا اللہ کے کسی اور کی عبادت کبھی نہ کرنا''۔

اور تعظیم کیلئے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کے شعائر کی تعظیم تقویٰ کا جزو ہے۔ اور یہ ہر زبان کے لحاظ سے صاف ظاہر ہے کہ اضافت جس سے اردو میں ''کا، کے اور کی'' پیدا ہوتے ہیں، یہ اضافت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ تو وہ اضافت خود پتہ دیتی ہے کہ مضاف اور ہے اور مضاف علیہ اور ہے۔ میں کہوں میرا لباس تو، میں اور ہوں، لباس اور ہے۔ میرا مکان تو، میں اور ہوں، مکان اور ہے۔ میرا عزیز، میں اور ہوں، عزیز اور ہے۔ اور یہاں میرے بھی نہیں۔ میرے یعنی اللہ کے شعائر تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ایک ہے، شعائر اس کے ایک سے زیادہ ہیں۔ بہرحال وہ چاہے دو چار ہوں، چاہے دس بیس ہوں، چاہے سو پچاس ہوں، لیکن ایک سے بہرحال زیادہ ہیں جبھی تو جمع ہیں۔

تو جب یہ کہا گیا کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو اسکا مطلب یہ ہے تعظیم اللہ سے مخصوص نہیں ہے، عبادت اللہ سے مخصوص ہے۔ تو جو مخصوص ہو اللہ سے، وہ اور چیز ہے، جو عام چیز ہے۔ اللہ کے سوا بھی ہو سکتی ہے اور اس سے الگ چیز ہے تو عبادت کیلئے قرآن میں نہیں آ سکتا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک ہے اور شرک کیلئے کہا گیا ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ تو اللہ شرک کا نہ حکم دے گا، نہ شرک کی اجازت دے گا۔ اللہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہے تو شرک سے کہاں راضی ہوگا؟ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی دعوت تو دی ہی نہیں جا سکتی۔ مگر اللہ کے سوا اور کچھ ہے۔

میں نے ابھی کہا کہ شعائر کے معنی نہیں معلوم، تو اللہ کے سوا کچھ چیزیں ہیں

کہ جن کی تعظیم کو اس نے جزوِ تقویٰ کہا ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قسم کی تعظیم کو شرک سمجھنا غلط ہے۔ ادھر کسی چیز کی تعظیم ہوئی اور کہا کہ یہ شرک ہے۔ اسے میں فطرت کے تقاضے پر بھی جانچنا چاہتا ہوں۔ فطرت کسی مذہب کی بھی ملک نہیں ہے۔ پھر قرآن کے معیار پر جانچنا چاہتا ہوں جو تمام مسلمانوں کی مشترک ہے، ایک مرکز ہے۔ پھر حدیث کے معیار پر جانچنا چاہتا ہوں۔ حدیث میں کچھ متفق علیہ ہیں، کچھ مختلف بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر قرآن کا تو کوئی جزو ایسا نہیں جس میں اختلاف ہو۔ مفہوم میں اختلاف ہو وہ اور بات ہے۔ اصل قرآن کی آیت میں کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ وہ اُسے (معاذ اللہ) غیر معتبر کہے۔

تو اب پہلے فطرت کے تقاضے پر غور کیجئے گا کہ کیا تعظیم شرک ہے؟ تعظیم کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہئے لیکن کسی ایک کے ساتھ ایسا برتاؤ کہ جو اس کے امتیاز کا، بلندی کا، بزرگی کا پتہ دے تو وہ تعظیم ہے۔ اب کوئی ادنیٰ درجہ کی تعظیم ہوگی، کوئی اعلیٰ درجہ کی تعظیم ہوگی۔ ادنیٰ درجہ کی تعظیم ہے تو چھوٹا شرک ہوگا۔ اونچے درجہ کی تعظیم ہے تو بڑا شرک ہوگا۔ لیکن شرک تو پھر ہر ایک کا ہوگا۔ تو اب یہ اصول کہ ادھر اپنے عمل سے کسی کے ساتھ امتیاز نمایاں کیا اور بس شرک ہوگیا۔

تو اب جناب! جو صاحب جس نقطہ نظر کے حامی، جس مکتبِ خیال کے آدمی یہ کہتے ہیں کہ تعظیم مطلق تعظیم شرک، میں کہتا ہوں کہ خود ان کے گھر پر جا کر پہلے ان سے تعلقات قائم کیجئے، بلا وجہ کے مہمان ہو جایئے گا۔ ان سے پہلے کچھ دوستانہ بڑھایئے، پھر جا کر ان کے ہاں مہمان ہو جایئے۔ کسی بات کے غلط ہونے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ جو اس کا علمبردار ہے، وہ خود اس پر عمل نہ کر سکے۔ جو خلافِ

فطرت بات ہوگی، اس پر کوئی عمل نہیں کر سکے گا۔

تو کسی بھی شرک شرک کی آواز بلند کرنے والے کے ہاں جا کر مہمان ہو جایئے، دو چار دن اور یہ اندازہ لگایئے کہ جس انداز سے وہ اپنے نوکر سے بات کرتا ہے، اسی انداز سے اپنے والد ماجد سے بھی بات کرتا ہے۔ اگر ذرا بھی اس نے فرق کیا تو وہیں سے پھر شرک شروع ہوا کیونکہ وہ فرق ظاہر ہے اظہار بزرگی کیلئے ہی ہوگا۔ وہ فرق احساسِ عظمت کیلئے ہی ہوگا۔ لہٰذا وہ تعظیم ہوگا اور جب تعظیم ہوگا تو شرک ہو جائے گا۔ اب یہ چیز رواج کے لحاظ سے بدل سکتی ہے۔ میں یوپی کا ہوں، وہ بھی لکھنؤ کا رہنے والا۔ یہاں مجمع میں بہرحال، وہ ہجرت کی جو ہوا چلی تھی، اُس کے لحاظ سے بہت سے یوپی کے بھی حضرات ہوں گے اور ممکن ہے لکھنؤ کے بھی ہوں۔ ممکن ہے کچھ باتیں وہاں رائج ہوں، پنجاب میں ان پر عمل نہ ہوتا ہو مگر کچھ باتیں تو ضرور مشترک ہوں گی دونوں جگہ۔

تو حضور! میں اپنے ہاں کے جو محاورات ہیں، ان کے لحاظ سے پہلے کہوں، جس پر بہت سے یہاں کے بھی حضرات عامل ہو گئے کہ جناب کوئی چھوٹا بچہ آیا، اس سے تُو کہہ کر بات کی، اب اپنے برابر کے ساتھ کے رفیق آئے، سکول کالج کے، ان سے تم کہہ کر بات کی۔ بس ادھر تو سے تم کی تبدیلی ہوئی اور شرک شروع ہوا۔ جب تم سے آپ ہوا تو شرک میں اضافہ ہوا اور جب جناب، قبلہ وحضرت وسرکار ہو گیا تو لیجئے شرکِ عظیم ہو گیا۔

بچہ اپنا آیا، پیر پھیلائے ہوئے لیٹے تھے، لیٹے رہے۔ اب آ گئے اپنے بزرگوار کوئی اُستاد، ارے اُستاد نہ سہی، حاکمِ ضلع آ گیا، کمشنر صاحب آ گئے۔ تو اب اسی طرح لیٹے رہیں گے؟ اب اگر ان کو آتے ہوئے دیکھ کر ذرا بھی اپنی جگہ سے

جنبش کی تو شرک ہو گیا۔ یہ اٹھ کے بیٹھ گئے یا کھڑے ہو گئے تو بہت بڑا شرک ہو گیا۔

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی بھی نقطہ نظر کا آدمی، کسی بھی متمدن ماحول میں، کسی بھی مہذب فضا میں اس اصول کا پابند ہے کہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے، سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ ذرا بھی امتیاز کسی کے ساتھ، اپنے قول وعمل میں، اندازِ گفتگو میں، طریق معاشرت میں ظاہر نہ ہونے دے تو یہ ایسی چیز ہوگی جس پر اس مہذب دنیا کا کوئی فرد عامل نہیں ہے۔ اور میں تو سمجھتا ہوں، ہم ان میں رہے سہے نہ ہوں، اس لئے نہیں بتا سکتے کہ شاید جنگلوں میں، پہاڑوں کے رہنے والوں میں بھی اپنے اندازِ معاشرت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہو، چھوٹے اور بڑے کا۔ کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہو ایسے کا جس کی نظروں میں عزت زیادہ ہو۔

اب چونکہ ہم اس معاشرت سے واقف نہیں ہیں، ہم نہیں بتا سکتے ورنہ جہاں سے شعور کی ابتداء ہوئی، وہیں سے یہ فرق مراتب لازمی طور پر پیدا ہو جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسا تصور ہے کہ مطلق تعظیم شرک ہو کہ جو دورِ وحشت کے ساتھ شاید سازگار ہو لیکن دورِ تہذیب وتمدن کے ساتھ یہ سازگار نہیں۔ فطرتِ بشری اور شعورِ انسانی کے تقاضوں کے خلاف ہے کہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے اب آئے قرآن مجید میں دیکھیں کہ قرآن مجید کیا کہہ رہا ہے ماں باپ کیلئے دیکھئے۔ آغاز وہی ہے جو خود اس اصول کو تقویت پہنچاتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

''تمہارے لئے اللہ کا یہی فیصلہ ہے عبادت تو سوا اس کے کسی اور کی نہ کرو''۔

تو اب جو جو کہا گیا ہے، وہ عبادت تو ہے نہیں، اب اسے سمیٹ کر یوں کہا کہ تمہارے رب کا فیصلہ ہے کہ عبادت سوا اس کے کسی کی نہ کرو مگر ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ احسان کے معنی وہ نہیں ہیں کہ کسی کو اپنا ممنونِ کرم بنا کر اس کی گردن کو جھکائیں۔ احسان کے معنی ہیں اچھا سلوک، حسن عمل۔

تو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو اب یہ ان کے حسن سلوک کی اہمیت ہے کہ عبادتِ الٰہی کے بعد بلا فاصلہ اس کا حکم دیا جاتا ہے۔ یعنی اب حقیقی کے بعد ذہن کو مجازی کی طرف موڑا جاتا ہے۔ دیکھو! عبادت تو بس اس کی ہے جو حقیقی ہے۔ مگر یہ ماں باپ، ان کے ساتھ حسن سلوک، مگر حسن سلوک کو مبہم نہیں چھوڑا جاتا۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

دیکھو! ان میں سے دونوں یا ایک کبرسنی کی منزل تک پہنچ جائیں تو ان سے اُف بھی نہ کرو۔ اب ماشاءاللہ صاحبانِ عمل ہیں اور اہل فہم ہیں۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کبرسنی کی منزل تک پہنچ جائے، یہ درحقیقت قید حکم نہیں ہے یعنی کوئی صاحب ہوں کہ ان کے والد صاحب ابھی بوڑھے نہیں ہوئے ہوں، بعض ہوتے ہیں کہ ابتدائے عمر میں صاحبزادے متولد ہوئے تھے، اب بعد میں اتنا فرق نمایاں نہیں ہوتا دیکھنے والے کو کہ وہ رشتہ بھی محسوس کرے کہ وہ باپ ہیں، یہ بیٹے ہیں۔ بعض جگہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ بڑے بھائی ہیں۔ اسی طرح یہ خواتین میں زیادہ ہوتا ہے، بعض اوقات ان میں فرق اتنا کم محسوس ہوتا ہے کہ ماں بیٹی معلوم نہیں

ہوتیں۔ ناواقف آدمی سمجھتا ہے کہ وہ بڑی بہن ہیں، یہ چھوٹی بہن ہیں۔ تو اب اگر ایسے صاحبان ہیں جن کے ماں باپ میں کچھ زیادہ فرق پیدا نہیں ہوا ہے تو وہ کہیں کہ جناب قرآن مجید میں جو کلیہ ہے، وہ تو انہیں یاد تھا کہ جو ماں باپ سن رسیدہ ہو جائیں۔ ہمارے ماں باپ یا مادرِ محترمہ تو ابھی کبرسنی کی منزل تک نہیں پہنچے ہیں تو اس لئے ہم جو چاہیں کریں۔

تو حقیقت میں یہ قید شرط نہیں ہے۔ نفسیاتی طور پر غور کیجئے کیونکہ کبرسنی میں یہ زیادہ ہوا کرتا ہے کہ ان کی باتیں تکلیف دہ ہو جائیں۔ ضعیف العمری کی وجہ سے بے جا خفا بھی ہونے لگتے ہیں۔ کبرسنی کی وجہ سے بے بات کے غصہ بھی کرنے لگتے ہیں۔ یہ چونکہ انسان میں کبرسنی کی وجہ سے ہوتا ہے، تو اس لئے کہا گیا کہ اگر کبرسنی کی وجہ سے یعنی ایسی باتیں ہونے لگی ہیں کہ تمہیں ناگوار گزرتی ہیں تو دیکھو، ہم جانتے ہیں کہ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ تمہیں اذیت ہوتی ہے مگر چونکہ ماں کے ہاتھ سے ہے، باپ کے ہاتھ سے ہے، لہٰذا خبردار! اُف بھی نہ کرو۔

اب اہل فہم غور کریں کہ اُف کہنا کوئی اذیت پہنچانا نہیں ہے۔ اپنی اذیت کا اظہار ہے مگر چونکہ ماں باپ کے ہاتھ سے وہ سلوک ہو رہا ہے تو اپنی اذیت کا اظہار بھی نہ کرو۔ اب اس دَور کے تعلیم یافتہ اور ترقی پسند جوانانِ روزگار غور کریں کہ وہ ماں باپ سے کس کس طرح بات کرتے ہیں۔ ایک ادنیٰ انداز تو یہ ہے، مشاہدات میں ہر ایک کے، ایک ادنیٰ انداز یہ ہے کہ آپ ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔ ہمارے معاملات میں آپ دخل نہ دیا کیجئے۔ یہ والد ماجد سے بہت ہلکی بات ہے جو کہہ دی جائے اور اس سے آگے آپ جس زمانہ کے آدمی ہیں، آپ کیا جانیں ہمارے معاملات کو؟ لہٰذا آپ جو ہر چیز میں دخل دیا کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔

اور دَور وہ آگیا ہے کہ صاحبزادیوں کو، اگر فرض کیجئے کہ کسی کے آنے جانے کو وہ روکیں تو وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہمارے نجی معاملات میں آپ کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ تو یہ دنیا کا تقاضا جو ہے، مجھے اس سے بحث نہیں مگر قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ ماں باپ سے اذیت بھی پہنچ رہی ہے، کبرسنی کی وجہ سے تو خبردار! اُف نہ کرو اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرو۔

اب یہ جھڑکنا کیا ہے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ الفاظ سخت نہیں ہیں، بس کہنے کا انداز سخت ہے۔ کاغذ پر وہ الفاظ آئیں تو ان میں کوئی برا نہیں ہے۔ مگر انداز گفتگو میں درشتگی ہے اور سختی ہے۔ اسے منع کیا جا رہا ہے۔

لَا تَنْهَرْهُمَا

''انہیں جھڑکو نہیں''۔

وَقُلْ لَّهُمَا

یہ تو منفی احکام تھے اور اب اس کے مقابل میں ''قُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا'' ان سے بات کرو اس طرح جس سے ان کی بزرگی نمایاں ہوتی ہو اور دیکھو، ان کے ساتھ عاجزی کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکائے رکھو۔ یعنی بیٹھو تو اس انداز سے کہ تمہارے بیٹھنے سے ظاہر ہو کہ چھوٹا بڑے کے سامنے بیٹھا ہے۔ ان کے ساتھ کھڑے ہو تو اس طریقہ سے کہ تمہارے کھڑے ہونے کے انداز سے پتہ چلے کہ تم اپنے کو چھوٹا سمجھتے ہو۔ ان کے ساتھ راستہ چلو تو اس طرح کہ معلوم ہو کہ چھوٹا بڑے کے ساتھ راستہ چل رہا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی نہ سمجھو کہ حق ادا ہوا، تو اب ہم سے کہو ''وَقُلْ''، اور یہ کہو کہ:

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

اور اب یہ قرآن مجید کے الفاظ کے وہ پہلو ہیں جن پر بغیر تدبر کے انسان کی توجہ نہیں ہو سکتی۔ آغاز ہوا ہے آیت کا ''قَضٰی ربك''، ''قَضٰی اللهُ'' نہیں کہا گیا ہے، ''قَضٰی رَبُّكَ''۔ رب کے معنی ہیں تربیت کرنے والا۔ تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عبادت بس اسی کی کرو مگر ماں باپ کے ساتھ یہ سلوک کرو اور جب مناجات بتائی تو کہا: اب ہم سے کہو کہ ''رَبِّ''، اے ہمارے حقیقی رب۔

بھئی یہ رب یہاں کیوں آیا؟ ''وَارْحَمْهُمَا''، ان پر رحمت شامل حال فرما۔ ''كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا''۔ جیسا کہ انہوں نے بچپن میں ہماری تربیت کی، اس کا مطلب یہ ہے مناجات کا کہ پروردگار! یہ تربیت کرنا اصل میں تیرا کام تھا جو ان کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ لہٰذا ہم انہیں کہاں صلہ دے سکتے ہیں تو تُو ہی ہے جو انہیں صلہ عطا فرمائے گا۔

تو خیر جھڑکو نہیں، اُف نہ کہو اور قول میں بھی ان کی بزرگی مدنظر رکھو۔ عملاً بھی ان کے سامنے جھکے رہو۔ یہ تعظیم کی دعوت نہیں ہے اور کیا ہے؟ اور شروع میں کہہ دیا کہ عبادت سوائے اس کے کسی اور کی نہ کرو۔ تو اسی سے صاف ظاہر ہے کہ عبادت اور ہے اور تعظیم اور ہے۔ عبادت اس سے مخصوص ہے اور تعظیم ہر ایک کی ہے جس کو وہ کہے۔

اس کے بعد یہ عجیب بات ہے کہ کوئی کسی گورنر کی تعظیم کو کھڑا ہو جائے تو کوئی شرک کی آواز نہیں کرے گا اور دوسرے جو حکام ہوں، کوئی ان کے لئے کھڑا ہو تو کوئی شرک کی آواز بلند نہیں کرے گا۔ لیکن یہ بات زیادہ تر رسولؐ اور آلِ رسولؐ ہی کے بارے میں صرف ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں تو زیادہ رواج نہیں ہے۔ مگر

ہمارے مسلمانوں کی اکثریت میں میلاد شریف اور سیرت کے جلسوں میں ایک بڑا مسئلہ قیام کا ہوگیا ہے۔ یہ ایک رواج بن گیا ہے کہ ایک خاص محل پر جب حضرتؐ کا نام آتا ہے، سلام کے موقع پر تو تہذیب قرار دی گئی ہے کہ مجمع کھڑا ہوجائے۔ اب وہ بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے کہ ایک پورا گروہ اسے بہت بڑی اور عظیم معصیت قرار دیتا ہے اور معصیت نہیں بلکہ وہی شرک۔ وہاں کوئی معصیت نہ شرک سے ادھراُدھر تو رہتی ہی نہیں۔

تو جناب! یہ شرک پیغمبرؐخدا کا نام سن کر کھڑا ہونا، یہ تعظیم ہے اور اگر تعظیم جائز نہیں ہے، یہ شرک ہے۔ تو حضور! تعظیم کا ہر درجہ واجب تو نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے ہم اس پر عامل نہیں ہیں مگر میں یہاں وکالت کرتا ہوں اس جماعت کی جو اس پر عامل ہے کہ وہ جو یہ کررہے ہیں، وہ عبادت ہے یا تعظیم ہے۔ عبادت ہے تو شرک ہے۔ لیکن اگر تعظیم ہے تو شرک نہیں ہے۔ تو آپ یہ رسولؐ ہی کے بارے میں سب سے زیادہ جو شرک کا مسئلہ پیدا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جائے جو سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی حضورؐ کی بزرگی کے اظہار کیلئے جو طریقہ اختیار کیا جائے تو وہ شرک ہوجائے گا۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ رسولؐ کے ساتھ وہی برتاؤ ہو جو سب کے ساتھ ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ توحید آپ نے کس سے سیکھی ہے؟ قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب سے؟ توحید کا ذکر آپ نے قرآن وحدیث ہی سے سنا۔ انہی کے خلاف انہیں صرف کررہے ہیں۔ تو جناب! یہ کھڑا ہونا توحید کے خلاف ہے، شرک ہے۔ یعنی رسولؐ کے ساتھ کوئی برتاؤ ایسا نہیں کرنا چاہئے جو دوسروں کے علاوہ ہو۔ جو سب کے ساتھ برتاؤ ہو، وہی رسولؐ کے ساتھ۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کی بات

مانیں یا قرآن کی؟

آپ کہتے ہیں وہی برتاؤ کرو جیسا سب کے ساتھ اور قرآن کہہ رہا ہے: دیکھو! ہمارے پیغمبر کو اس طرح نہ پکارا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ وہ کہتا ہے جیسا دوسروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو، ویسا پیغمبرؐ کے ساتھ سلوک نہ کرو۔ آپ کہتے ہیں جو سب کے ساتھ سلوک کرو، وہی رسولؐ کے ساتھ سلوک کرو۔ تو اب قرآن کی بات مانیں یا آپ کی بات مانیں؟ صاف کہہ رہا ہے قرآن۔ نہ قرار دو ہمارے رسولؐ کے پکارنے کا طریقہ وہ جو آپس میں ایک دوسرے کا طریقہ قرار دو۔

اور جناب! ہم سے یہ کہا کہ اس طرح نہ پکارو جیسے سب کو پکارتے ہو۔ تو خود بھی اس طرح کبھی نہیں پکارا جس طرح اوروں کو پکارتا ہے۔ ارے وہ ہر کس وناکس کو پکارنے ہی کیوں لگا؟ وہ انبیاء کو پکارتا ہے، مرسلین کو پکارتا ہے۔ ماشااللہ مجمع میں ممکن ہے کہ حافظِ قرآن بھی ہوں، جو حافظِ قرآن ہو، وہ حافظہ کی مدد سے دیکھ لیں، جو ناظرہ خواں ہوں، وہ ورق گردانی کرکے تلاش کرلیں، جو عرض کررہا ہوں، اس کی تصدیق جتنی تلاش کریں گے، مکمل ہی ہوگی۔ اس کے خلاف ثابت نہیں ہوگا کہ وہ بس انبیاء کو پکارتا ہے مگر جس نبی کو پکارا، بلا استثنٰی نام لے کر پکارا اور جب بلا استثنٰی میں نے کہہ دیا کہ تو مجھے آیتیں پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ مگر جتنی روا روی میں یاد ہیں، اتنی پڑھ بھی دونگا۔

يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

''ارے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو''۔ نام لے کر پکارا۔

"یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ"۔

''اے نوحؑ! چلو سلامتی کے ساتھ''۔ نام لے کر پکارا۔

"یٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا"۔

''اے ابراہیمؑ! تم نے خواب سچ کر دکھایا''۔ نام لے کر پکارا۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ

''اے داوٗد! ہم نے تمہیں زمین میں حاکم بنایا''۔ نام لے کر پکارا۔

جس نبی کو پکارا، نام لے کر پکارا اور ہمارے رسولؐ کو بلا استثنیٰ، کبھی نام لے کر نہیں پکارا۔ جتنی طاقت سے وہاں بلا استثنیٰ کہہ سکتا تھا، اتنی ہی طاقت سے یہاں بلا استثنیٰ کہہ سکتا ہوں کہ انکو بلا استثنیٰ کبھی نام لے کر نہیں پکارا بلکہ کبھی تو صفات کو مرکز خطاب قرار دیا ہے۔ ''اے طیب وطاہر''، ''اے یٰسین''، ''اے سید وسردار''۔ کبھی جو عہدہ تھا، اسی کو مرکز خطاب بنالیا، ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ''، ''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ''، نبی اور رسول ان کا عہدہ ہے۔ اسی عہدے کو عنوانِ خطاب بنا کر جب ایک تبلیغِ خاص کا حکم آیا تو پھر وہاں نہ طٰہٰ کہا گیا، نہ یٰسین کہا گیا۔ وہاں کہا گیا۔ ''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ''، ''اے رسولؐ!''

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط

''جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس کی تبلیغ کر دیجئے۔''

یہاں ''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ'' ہے اور اس خطاب ہی سے نمایاں ہے کہ

سرکاری فرمان ہے۔ لہٰذا ضابطہ کا اندازِ خطاب، جو عہدہ ہے ان کا، اسی عہدے کو سرنامہ کلام قرار دے دیا اور کبھی تقاضائے محبوبی، جو لباس پہنے ہوئے ہیں، اسی انداز کو عنوانِ خطاب بنالیا۔ ''یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ''، ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ''، اے چادر میں لپٹے ہوئے، اے عبا اوڑھے ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ذات اتنی محبوب ہے کہ اس کے لباس پر بھی نظرِ محبت پڑ رہی ہے۔

صاحبانِ فہم محسوس کریں گے کہ لباس کا تعلق جسم کے ساتھ عارضی ہوتا ہے۔ خصوصاً اوپر کا لباس جیسے عبا، جیسے چادر۔ یہ تعلق تو بالکل وقتی ہوتا ہے۔ لباس تو ہوسکتا ہے کہ چند دن جسم پر رہے یا ہر روز بدلتا ہو آدمی، تو ایک دن تو رہے گا لیکن یہ اوپر کا لباس جیسے ہماری عبا وغیرہ، تو وہ تو بس تھوڑی دیر کیلئے زیبِ جسم ہے اور اس کے بعد اُتار دی۔ تو جسم کے ساتھ عارضی تعلق ہوتا ہے۔ تو جو ذات اتنی محبوب ہو کہ عارضی تعلق اس کے جسم کے ساتھ جو ہو، وہ مرکزِ نظر پروردگار ہو جائے تو قبرِ مطہر جس سے جسم کا مقامِ تصور میں دائمی تعلق ہوتا ہے، وہ قبرِ مطہر مرکزِ نظر پروردگار نہیں ہوگی اور کیا اس کی ذرا سی بھی تعظیم وتکریم شرک ہوجائے گی؟

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

دیکھو! رسولؐ کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کیا کرو۔ یہ تعظیم سکھانا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ہاں! میں نے کہا یہ میں دوسرے حضرات کی وکالت کر رہا ہوں۔ میں تو عادی نہیں ہوں اور ہمارے مجمع میں اکثر وہ طریقہ نہیں ہے۔ یعنی ایک خاص محل پر اسم شریف سن کر کھڑا ہونا، ہم اس جذبۂ تعظیم کو بآوازِ بلند درود کے وسیلہ سے انجام دیتے ہیں۔ لیکن میں تو اس وقت وکالت کر رہا ہوں اس طبقہ کی جو اس پر عمل

کرتا ہے۔ تو جسے وہ بات ناگوار گزرتی ہے، وہ طرح طرح کی باتیں کرتا ہے تو وہاں یہ کہا جاتا ہے۔ یہ کیا کہ ایک خاص محل پر حضرتؐ کا نام آئے تو وہاں کھڑے ہو یعنی ایسا ہی ہے تو پھر جب بھی آپؐ کا نام آئے تو کھڑے ہو جایا کرو۔

بعض چیزیں ایسی ہیں کہ پرانے زمانہ میں اس کا نمونہ یا مثال دوسرے کے سمجھانے کو ہم بھی پیش کر سکتے تھے مگر جو جدید مشاہدات ہیں، اس سے بہت سی چیزوں کا سمجھانا آسان ہو گیا ہے۔ اب میں اپنے ہاں کا جانتا ہوں، وہاں میں نے دیکھا ہے مگر ظاہر ہے جو ایک جگہ ہوتا ہے، وہ دوسری جگہ بھی ہوتا ہے۔ ایک دن ہم بینک گئے۔ وہ دن ہمارے علم میں ایسا نہیں تھا کہ بینک بند ہو، کام نہ ہو رہا ہو۔ وہاں جا کر دیکھا، مثلاً کہ سب اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ کوئی کام نہیں ہو رہا ہم نے کہا: ارے صاحب! کیا آج کوئی چھٹی ہے؟ کہا: نہیں چھٹی تو نہیں ہے۔ ہم نے کہا: پھر کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آج علامتی ہڑتال ہے۔ علامتی ہڑتال کیا ہے؟ کہا کہ اصل ہڑتال تو بعد میں ہوگی، اگر مطالبات پورے نہ ہوئے۔ یہ آج تھوڑی دیر کیلئے علامتی ہڑتال ہے یعنی اپنی ناراضگی کا ثبوت دینے کیلئے، مثلاً دو پہر تک کام نہیں کریں گے۔ یہ ابھی ہڑتال مکمل نہیں ہے۔ یہ علامتی ہڑتال ہے۔

اب میں نے وہاں سے یہ لفظ یاد کر لیا۔ ایک دفعہ یہ لفظ سنا تو مجھے اپنے مطلب کا معلوم ہوا۔ میں نے اُسے یاد کر لیا۔ اب جناب! یہ سوال جو قیام کا ہے، قیام بوقت سلام، انہوں نے یہ کہا کہ یہی کیا خصوصیت ہے؟ جس وقت بھی حضرتؐ کا نام آیا کرے تو کھڑے ہو جایا کرو۔ تو میں کہتا ہوں کہ بے شک اگر ہر وقت کھڑے ہوا کریں تو بہت اچھا مگر یہ اپنے امکان کی کمی ہے کہ ہر دفعہ کھڑے ہوا کریں۔ میں کہتا ہوں یہ تعظیم نہیں ہے، علامتی تعظیم ہے۔ (اگر ہر مرتبہ ان کا نام آنے پر

کھڑے ہوں) تب بھی حقِ تعظیم کہاں ادا ہوگا؟

معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ خدا کیلئے قرآن دعوتِ تعظیم دے رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو جو ان کی عظمتِ شان کے لائق ہے۔ ان کو اس طرح پکارا نہ کرو۔ اپنی آواز کو ان کی آواز پر بلند نہ کیا کرو۔ یہ سب تعظیم کی دعوت ہے۔ اب کچھ ان کا عمل، میں نے عرض کیا تھا کہ فطرت پھر قرآن، پھر سنت۔

تو حضور والا! متفق علیہ تاریخ ہے اور تاریخ کے ذیل میں جو ارشاد رسولؐ آئے، وہ حدیث ہے، اس لئے جو عرض کرتا ہوں، وہ تاریخ بھی ہے اور حدیث بھی ہے۔ جنگ خندق کے بعد پیغمبرؐ واپس ہوئے، جنابِ سعد ابن معاذ، وہ انصارِ مدینہ میں سے بڑے سابق الایمان تھے، یعنی جبکہ ابھی ہجرت نہیں فرمائی تھی، جو لوگ مکہ معظّمہ گئے تھے اور حضرتؐ کی خدمت میں شرفیاب ہو چکے تھے، ان میں سے یہ سعد بن معاذ تھے اور وہ جو ان کے ہاں دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان میں سے یہ ایک کے سردار تھے۔ وہاں سے دو قبیلے نکالے جا چکے تھے، بنی قریظہ وہاں رہ گئے تھے مدینہ میں تو یہودیوں نے بڑے بڑے قلعے اپنے بنا لئے تھے، نیت تو ان کی اچھی نہیں تھی۔ جنگ کا ارادہ پہلے ہی سے تھا۔ کچھ دن محصور رہے قلعوں میں اور اس کے بعد اب کچھ انہوں نے کہا کہ اب ہم قلعہ سے باہر آئیں گے، ہمیں اطمینان دلایا جائے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟

تو جناب! سعد ابن معاذ کے ان سے زمانہ قبل اسلام سے بڑے اچھے تعلقات تھے، بہت روابط تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم کسی کو ثالث بنا دو۔ وہ طے کر دے گا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے! تو آپؐ نے سعد ابن معاذ سے فرمایا کہ تم طے کر دو۔ وہ بڑے خوش ہوئے کہ یہ تو ہمارے بڑے پرانے دوست ہیں۔ وہ اپنی

حماقت سے یہ نہیں سمجھے کہ ایمان میں پرانی اور نئی دوستی کچھ نہیں ہوتی، ایمان کے تقاضے جو ہیں، وہ تو پورے ہوں گے اور تھے وہ بڑے جلیل المرتبہ صحابی۔ انہوں نے کہا کہ سعد ابن معاذ جو فیصلہ کریں، ہمیں وہ منظور ہے۔

آپؐ نے سعد کے بلوانے کیلئے آدمی بھیج دیا۔ وہ ایک مرکب پر سوار ہو کر آئے پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں، وہ جو آئے تو یہ ایک جملہ ہے، پورا واقعہ نہیں عرض کرنا ہے، جسے دیکھنا ہے تاریخ اسلام میں دیکھ لے کہ وہ جو آئے تو حضرتؐ نے انصار کے اس قبیلے سے فرمایا کہ دیکھو! تمہارا سردار آیا ہے، کھڑے ہو جاؤ۔ یہ دعوتِ تعظیم نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ تمہارا سردار آیا ہے، کھڑے ہو جاؤ۔ تو معلوم ہوا کہ رسولؐ کی تعظیم یہ نہیں ہے کہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرو۔ بس اب ایک جزو عرض کروں گا۔ آج تو اس سلسلہ کی پہلی مجلس ہے۔ پھر انشاءاللہ اور اجزاء تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے کہ یہ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھڑے ہو جاؤ، اور اب فوراً آپ کا عمل۔ حضور معتبر ترین کتابیں صحاح ستہ مانی جاتی ہیں۔ اس صحاحِ ستہ میں ایک صحیح ترمذی ہے، چونکہ صحاح میں ہے، اس لئے ترمذی شریف کہلاتی ہے۔ جیسے بخاری شریف، مسلم شریف، ویسے ترمذی شریف۔ تو وہ بھی ادنیٰ درجہ کی روایت نہیں ہے۔ صحیح ترمذی میں ہے تو صحاحِ ستہ میں ہے۔ اس میں دیکھئے کہ صحیح ترمذی میں رسولؐ کا عمل کیا ہے۔

"اِذَا دَخَلَتْ فَاطِمَةُ"۔

''جب بھی فاطمہ زہراؑ آتی تھیں''۔

ایک دفعہ کی بات نہیں ہے کہ راوی نے دیکھا ہو کہ فاطمہ زہراؑ آئیں اور

پیغمبرؐ خدا کھڑے ہو گئے۔ ایک دفعہ کھڑے ہوں تو بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں، خلافِ توقع کوئی آجائے تو آدمی کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ آئیں اور پیغمبرؐ خدا کھڑے ہو گئے۔ جب بھی آتی تھیں فاطمہ زہراؑ، تو۔

"قَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ"۔

''حضرت پیغمبرؐ خدا انؑ کی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے''۔

یہی جملہ ایسا اونچا تھا کہ ہماری تحریر و تقریر کی ساری قوتوں کو اس نے جذب کر لیا۔ ہم ہمیشہ اتنا ہی بیان کرتے رہے کہ حضورؐ حضرتِ فاطمہ زہراؑ کی تعظیم فرماتے تھے۔ مگر ارشادِ رسولؐ اور آگے بڑھتا ہے۔ جو تیسرا جملہ آئے گا، وہ اگر پہلے جملے سے بالاتر نہیں ہے تو اس سے کمتر بھی نہیں ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے یعنی راوی کہہ رہا ہے، قَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ، حضرت رسولِؐ خدا کھڑے ہو جاتے تھے۔ ''رَحَّبَهَا''، مرحبا فرماتے تھے یعنی خوش آمدید کہتے تھے۔

"وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَكَانِهِ"۔

''اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے تھے''۔

اب اس عظمت کا میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تجزیہ اگر کریں تو اس جملے کے مفہوم کے سوا اس کے اور کوئی معنی ثابت ہی نہیں ہوں گے کہ جب تک فاطمہ زہراؑ بیٹھی ہیں، پیغمبرؐ خدا نہیں بیٹھیں گے۔ جب فاطمہ زہراؑ اٹھ کر جائیں گی، تب اپنی جگہ حضرتؐ تشریف فرما ہوں گے۔ تو یہ فاطمہ زہراؑ کی تعظیم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور میں کہتا ہوں کہ اس عملِ رسولؐ سے ثابت ہے کہ فاطمہؑ فقط بیٹی نہیں ہیں، کچھ اور بھی ہیں۔ فاطمہؑ علاوہ بیٹی کے کچھ اور بھی ہیں ورنہ بیٹی ہونے کا تقاضا ہی نہیں ہے کہ باپ

تعظیم کو کھڑا ہوا اور ماشاءاللہ صاحبانِ علم ہیں آپ حضرات میں اور ممکن ہے ہر نقطۂ نظر کے کچھ اصحاب ہوں۔ غور فرمائیے کہ اصول یہ ہے کہ جو عملِ رسولؐ ہے، وہ جزوِ سنت ہے۔ جو تقریرِ رسولؐ ہے، وہ بھی جزوِ سنت ہے۔ تقریر کے معنی عام لوگ نہیں سمجھیں گے یعنی کوئی دوسرا رسولؐ کے سامنے کوئی عمل کرے، رسولؐ اس کو منع کر دیں، وہ بھی جزوِ سنت اور یہ اصول ہے کہ سنتِ رسولؐ کی پیروی یا واجب ہوگی یا مستحب۔

ہوسکتا ہے کہ واجب ہو اور ہوسکتا ہے کہ مستحب ہو۔ ہم جسے واجب کے مقابلہ میں سنت کہتے ہیں، وہ واجب نہ ہو، سنت ہو یعنی مستحب ہو۔ یہ ایک عملِ رسولؐ ہے جو بالاتفاق موجود ہے اور اصول ہے کہ عملِ رسولؐ کی پیروی سنت۔ مگر مجھے کسی فقہ میں نظر نہیں آیا کہ باپ کیلئے سنت ہو کہ وہ بیٹی کی تعظیم کیلئے کھڑا ہوا کرے۔ کسی کتاب میں آپ نے دیکھا، کسی عالم سے سنا کہ باپ کے لئے مستحب ہو۔ واجب نہ ہو، مستحب ہو کہ اپنی بیٹی کی تعظیم کرے۔ تحفۃ العوام وغیرہ ہی نہیں، دنیا کی کسی کتابِ فقہ میں۔ مطالعہ کی پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے دنیا کی کسی فقہ کی کتاب میں نہیں دیکھا کہ باپ کیلئے سنت ہو کہ بیٹی کی تعظیم کرے۔

آجکل آسان ہے یہ کہہ دینا۔ کوئی کہے کہ ان سب علماء نے غلطی کی۔ ارے صاحب! ریسرچ کا تقاضا یہ ہے کہ ایک بات آج سمجھ میں آئی۔ تو چاہے ہم سے کسی نے پہلے نہیں کہا ہو، ابھی تک کسی نے نہیں لکھا۔ اب ہم جو کتاب لکھیں گے، کیونکہ دلیل ہمارے سامنے موجود ہے۔ صحیح ترمذی کی حدیث شریف ہے۔ اب سے ہم لکھا کریں گے اور خصوصاً ہمارے طبقہ کے لوگ، فضیلت کا ایک پہلو بھی ہے تو ہم کہاں بھول سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ واقعی ہم نے اس طرح ابھی تک توجہ ہی نہیں کی تھی۔ اب سے ضرور ہم اپنی بیٹی کی تعظیم کیا کریں گے۔

تو صاحب! اب تک تو یہ علماء کا عمل ہے کہ کتابوں میں نہیں لکھا۔ بیچارے علماء غیر معصوم ہیں، کہہ دیجئے کہ غلطی کی سب نے۔ لیکن اب اس سے بالاتر ہے، مشترک اسلامی نقطۂ نظر سے۔ اور خود ہمارے معتقدات کی روشنی میں کسی نے بھی، جو سنتِ رسولؐ کی پیروی کرنے کا دعویدار تھا۔ کبھی اس سنتِ رسولؐ پر عمل نہیں کیا۔ حضورؐ کے صحابہ کرام میں کیسے کیسے لوگ تھے جو سنتِ پیغمبرؐ ایک ایک یاد رکھتے تھے۔ خود حالاتِ صحابہ کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ ابن عمر، انہیں کسی نے دیکھا کہ اس درخت کے نیچے جا کر نماز پڑھی۔ اس درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے ہیں، اِدھر اُدھر پھر کر نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ کیا: جہاں جہاں کبھی رسولؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، وہاں نماز پڑھ رہا ہوں۔ یہ اتباعِ سنت کی مثال میں پیش کیا جاتا ہے۔ تو اتباعِ سنت کا اتنا ذوق وشوق۔ یہ ویسے بڑی اچھی بات ہے۔ ایک ایک ہزار صفحہ کی کتابیں حالاتِ صحابہ میں ہیں لیکن کسی صحابی کے حالات میں نظر نہیں آتا کہ وہ اپنی صاحبزادی کی تعظیم کرتے ہوں اور کھڑے ہوجاتے ہوں۔

ماشاءاللہ صاحبانِ فہم ہیں۔ ارے ایسی ایسی صاحبزادیاں جو کسی حیثیت سے واجب التعظیم ہوچکی ہیں مگر ان کے پدارانِ نامدار ان کی تعظیم کیلئے نہیں کھڑے ہوتے۔ تو یہ کیا معاملہ ہے؟ حالانکہ صحاحِ ستہ، صحیح ترمذی میں حدیث موجود اور برابر نقل بھی ہوتی رہی۔ یہ نہیں کہ اسے بھول گئے ہوں۔ اچھا صحابہ تو غیر معصوم تھے۔ کوئی مسلمان نہیں مانتا کہ اصحاب معصوم تھے۔ عام مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے جیسے رسالت ختم ہوگئی، عصمت بھی ختم ہوگئی۔ یا یوں کہئے کہ جتنی حد تک رسولؐ کے لئے عصمت مانی، اتنی رسولؐ کے بعد ختم ہوگئی۔ مگر ہمارے ہاں نبوت ختم ہوگئی،

رسالت ختم ہوگئی، عصمت ختم نہیں ہوئی۔ اب جو خدا کی طرف کا رہنما ہو، چاہے بنامِ امام ہو، وہ امامت جو اصولِ دین میں ہے، اس امامت کا حامل ہو جو بھی ہو، وہ معصوم ہے۔ عصمت ختم نہیں ہوئی، وہ تا قیامِ قیامت قائم ہے، تو صحابہ کے بارے میں تو ہمارے افراد بے جھجک کہہ دیں گے کہ ان کا عمل ہمارے لئے سند نہیں ہے۔ لیکن بحمداللہ! آپ اور ہم معصوم مانتے ہیں۔ جن کی سیرت ہمارے نزدیک جزوِ سیرتِ رسولؐ ہے۔ اُن میں سے کوئی اپنی صاحبزادی کی تعظیم کو کیوں نہیں کھڑا ہوتا۔ حالانکہ کیسی کیسی صاحبِ صفات صاحبزادیاں، میں کہتا ہوں کہ امیرالمومنینؑ حضرت زینبؑ کی تعظیم کیوں نہیں فرماتے؟

کوئی روایت آپ نے سنی ہے، مجھے معلوم ہے کبھی یہ سنا ہوگا کہ امام حسینؑ بہن کی تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے۔ اگر ایسا ہے تو ہے اونچی بات یہ بھی۔ مگر وہ بات تو نہ ہوئی، بھائی بہن تو ایک برابر کا رشتہ ہے۔ باپ بیٹی کی تعظیم کیلئے کھڑا ہوجاتا ہو، وہ نظیر نہیں ملتی۔ امیرالمومنینؑ تعظیم کیلئے کیوں نہیں کھڑے ہوتے؟ امام حسینؑ نے جنابِ سکینہؑ کیلئے اظہارِ محبت میں جو جملے ارشاد فرمائے ہیں، وہ ہم تک پہنچے ہیں۔ لیکن یہ بات ہم تک نہیں پہنچی کہ حضرت امام حسینؑ جنابِ سکینہؑ و فاطمہؑ کی تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے اور جنابِ معصومہؑ قم، باوجودیکہ فہرست معصومینؑ میں ہیں لیکن جلالتِ قدر وہ ہے کہ آپ معصومہؑ کہنے لگے۔ معصومہؑ قم کا محاورہ آپ کے درمیان رائج ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ معصومہ کہہ دینے سے فہرستِ معصومین میں داخلہ نہیں ہو جاتا۔ تو معصومہ قم کہنے لگے، وہ الگ بات ہے۔ لیکن چودہ معصومؑ وہ ہیں کہ دلیلِ عصمت جن پر قائم ہے۔

بہرکیف کچھ ایسا جذبۂ احترام پیش نظر ہے کہ امام رضاؑ کی بہن کو معصومہؑ قم

کہا جانے لگا۔ میں کہتا ہوں کہ امام رضاؑ کی بہن ہیں تو امام موسیٰ کاظمؑ ان کی تعظیم کو کھڑے ہوں۔ جنابِ حکیمہؑ خاتون جو اتنی محل اعتماد تھیں کہ رازِ منتظر کی امانت دار قرار پائیں مگر امام محمد تقی علیہ السلام اس کی تعظیم کو نہیں کھڑے ہوتے تھے۔ تو اب یہ معمہ ہو گیا کہ ایک عملِ رسولؐ مسلماً موجود اور چودہ سو برس کا کوئی عالم نہیں لکھ رہا کہ یہ مستحب ہے۔ صحابہ عمل نہیں کر رہے۔ جن کے گھر کی بات ہے، ان میں سے بھی کوئی عمل نہیں کر رہا۔ تو کیا وہ اصول ٹوٹ گیا؟ عملِ رسولؐ کی پیروی میں فضیلت نہیں رہی۔

تو بس جو میں جواب دوں، اسے دنیا قبول کرے ورنہ جو حل اس کے سامنے ہو، وہ پیش کردے۔ میں کہتا ہوں کہ چودہ سو برس کے علما نے یہی سمجھا، صحابۂ رسولؐ یہی سمجھے۔ جن کے گھر کی بات تھی، ان آئمہ معصومینؑ نے یہی جانا کہ فاطمہؑ کی یہ تعظیم بحیثیت بیٹی کے نہیں ہے۔ یہ شخصیت فاطمہؑ کے لحاظ سے ہے، عظمتِ فاطمہؑ کے لحاظ سے ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ اصول قائم ہے۔ سنتِ رسولؐ کی پیروی لازم ہے مگر قیامت تک کے مسلمان کیلئے فاطمہؑ کی تعظیم واجب ہے۔ اپنی بیٹی کی تعظیم سے سنت ادا نہیں ہوگی۔

اب سیدہؑ عالم کی اتنی تعظیم کس حیثیت سے ہے؟ وہ بہت تشریح طلب ہے اور آفتاب کی کرنیں مجھ کو پیغامِ الوداع دے رہی ہیں۔ لہٰذا میں آگے نہیں بڑھوں گا سیدہؑ عالم کہ تعظیم پیغمبرؐ خدا فرما رہے ہیں۔ سیدہؑ عالم کی منزل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي"۔

''فاطمہؑ میرا ایک جزو ہے''۔

یہ جزوِ جسم کا جزو نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض ذاکر یہ ترجمہ کردیتے ہیں لختِ دل، پارۂ جگر۔ اس سے بات محبت پر ڈھل جاتی ہے۔ رسولؐ نے جو فرمایا

ہے، اس میں نہ دل ہے، نہ جگر۔ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: ''میرا ٹکڑا''، تو ''میرا ٹکڑا ہے''، اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے فرائض کی تکمیل نہ ہوتی بغیر فاطمہؑ کے۔ اور پھیلا کے عرض کرنے کا موقع نہیں۔ مگر یاد رکھئے کہ فرمانِ رسولؐ جو زبانی ہے، وہ تو ہدایت خلق کر سکتے تھے۔ اقوال سے۔ سیرتِ رسولؐ مقامِ اتباع میں کافی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ رسولؐ مردوں کیلئے نمونہ بن سکتے تھے، خواتین کے لئے نمونہ عمل نہیں بن سکتے تھے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ خزانۂ رسالت میں ایک گہر بے بہا ہو جس کا کردار خواتین کیلئے ویسا ہی معصوم نمونہ ہو جیسا رسولؐ کا کردار مردوں کیلئے معصوم نمونہ ہے۔ اس کیلئے خالق نے فاطمہ زہراؑ جیسی بیٹی کرامت فرمائی اور میرے نزدیک تو رسولؐ اسی لئے تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے۔ وہ فاطمہؑ کی تعظیم نہیں تھی، اس منصب کی تعظیم تھی جو فاطمہؑ کے سپرد تھا اور میں نے عرض کیا کہ تفصیل سے عرض کرنے کا موقع نہیں ہے۔ مگر ایک خیال میرے ذہن میں مدتوں رہا ہے، میں انکار نہیں کرتا۔ اپنی کوتاہیِ علم کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت امیرالمومنینؑ کے فضائل بے شمار مگر مجھے کہیں نہیں ملا کہ رسولؐ اللہ حضرت علیؑ کی تعظیم کو کھڑے ہوئے ہوں۔ کسی اور کا کیا ذکر، علیؑ کیلئے نہیں ملا کہ رسولِ خداؐ تعظیم کو کھڑے ہوتے ہوں۔ مگر فاطمہؑ کیلئے مل رہا ہے۔

میں نے اس پر غور کیا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہے؟ نہیں، فضائل کا زیادہ ہونا اور چیز ہے، اوصاف کا بلندتر ہونا اور چیز ہے۔ تو یقیناً امیرالمومنینؑ کی جو منزل ہے، وہ ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر جو عرض کر رہا ہوں، اُس پر غور کیجئے۔ خود اپنے معتقدات کی روشنی میں۔ بھئی اوصاف اور چیز کمالات اور چیز مگر علیؑ کا جو منصب ہے، وہ بعدِ رسولؐ ہوگا اور فاطمہؑ کا جو منصب ہے، وہ رسولؐ کی موجودگی میں ہے۔

گزشتہ دور میں ہمیں ایک معصومہ معلوم ہیں حضرت مریمؑ۔ مگر حضرت مریمؑ

کی زندگی رہنمائی خلق کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ وہ کسی کی شریک نہیں۔ عورتوں کیلئے جو اصل زندگی ہے، اُس کیلئے مثال نہیں بن سکتیں۔ تو مریمؑ کے بعد فاطمہؑ کی ضرورت تھی۔ تعلیم یافتہ طبقے میں بہت مقبول ہے ڈاکٹر اقبالؒ کا کلام۔ تو انہوں نے کہا:

مریمؑ از یک نسبت عیسٰیؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز

تو انہوں نے تو عزت کے اعتبار سے کہا، میں دوسری حیثیت سے کہہ رہا ہوں کہ بحیثیت نمونۂ عمل کے حضرت مریمؑ بیٹی ہونے کا نمونہ بن سکتی ہیں، ماں ہونے کا نمونہ بن سکتی ہیں مگر شریکِ حیات کی حیثیت سے جو فرائض ہیں، اس کا نمونہ نہیں بن سکتیں۔ اس کیلئے ضرورت تھی حضرتِ فاطمہ زہراؑ کی۔ یہاں تینوں پہلو مکمل۔ بحیثیت بیٹی باپ کے ساتھ شریک عملِ مباہلہ میں، بحیثیت زوجہ کے امیرالمومنینؑ کی شریکِ حیات عمر بھر اور بحیثیت ماں کے چاہے حسنؑ و حسینؑ کا نام لیجئے، زینبؑ و اُمِ کلثومؑ کا۔ یہاں تینوں شعبے مکمل مگر اب مصائب عرض کرنا ہیں۔

مصائب

میں خود بارگاہِ سیدہؑ عالم میں عرض کرونگا کہ بے شک آپؑ کی زندگی مکمل (معاذ اللہ) آپؑ کی سیرت میں کوئی نقص نہیں۔ مگر قدرت نے آپؑ کو بھائی عنایت نہیں کیا تھا۔ لہٰذا اس رشتے کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟ وہ آپؑ نہیں ظاہر فرماسکتیں۔ جس طرح مریمؑ کے بعد آپؑ کی ضرورت تھی، وہاں آپؑ کے بعد مخدومۂ عالم، آپؑ کی بیٹی کی ضرورت تھی۔ آپؑ شریکِ حیات جہادِ مباہلہ، یہ شریکِ جہاد کربلا۔

مگر بہ اعتبارِ صنف جہاد کے تقاضوں پر عمل الگ الگ ہوا، میں کہتا ہوں کہ وہ عصر تک کا جہاد، اس میں سرکردہ حسین ابن علی علیہ السلام، عصر کے بعد کا جہاد۔ اس کی سرکردہ زینب بنتِ فاطمہؑ اور میری کیا مجال! میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے کارنامہ پر کسی کارنامے کو فوقیت دوں مگر جو واقعاتی فرق ہے، وہ میں کیونکر عرض کروں کہ مولا جب میدانِ جہاد میں تھے تو ہر مصیبت میں زینب شریک تھیں، کونسی مصیبت مولا نے اُٹھائی جو زینب نے نہ اُٹھائی ہو؟ مگر جب زینب کا وقتِ جہاد آیا تو اب بھائی موجود نہ تھے، بھائی کا سر تھا جو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک ساتھ ساتھ چلا گیا۔

بس ایک جملہ اور، اور اِسی پر ختم۔ میں کہتا ہوں کہ کربلا والوں نے عصر تک کا جہادِ بے مثال کیا، بے شک شہزادہ قاسمؑ نے بہترین جہاد کیا، شہزادہ علیؑ اکبر نے بے نظیر جہاد کیا، ہمارے آقا ابوالفضلؑ العباس نے بہترین جہاد کیا، ہمارے مولاؑ نے جب تلوار لے کر جہاد کیا تو وہ بے مثال تھا مگر ان ہستیوں کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ اے میرے شہزادے قاسمؑ و علیؑ اکبر! اے میرے چھوٹے آقا عباسؑ!

اے میرے آقا حسینؑ! بے شک آپ نے جہادِ بے مثال کیا مگر جو جہاد آپ نے کیا، وہ خاندانی روایات کے مطابق تھا، علی کے پوتے یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟ حمزہ کے وارث یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟ جعفر کے پوتے یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟

مگر زینبؑ نے جو جہاد کیا، وہ خاندانی روایت سے الگ تھا۔ ارے جس کی ماں کا جنازہ رات کو اُٹھا ہو، وہ روزِ روشن میں شہر بہ شہر؟۔۔۔

مجلسِ دوم

- خانہ کعبہ کا طواف ہوتا ہے، اب فرض کیجئے کوئی بنظرِ عقیدت کسی ضریح کا طواف کرے تو بڑی شدت سے آواز آئے گی کہ ''شرک''۔ اسی طرح حجرِ اسود کا بوسہ متفق علیہ ہے لیکن کسی عَلَم کو کوئی بوسہ دے تو آواز آئے گی ''شرک''۔ ہم نے سجدہ گاہ پر سجدہ کرلیا تو کہا گیا کہ یہ شرک ہے۔
- اگر ہم کسی کی ولادت کو کتنا ہی فضیلت کے ساتھ بیان کریں تو یہ ثبوت ہے اس کا کہ ہم نے انہیں خدا نہیں سمجھا ہے۔ اس میں شرک کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔
- مجھے انتظار کرنے والوں سے ہمدردی ہوا کرتی ہے اور اس سے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ قسمتِ مسلم میں انتظار لکھا ہوا ہے۔ ہر ایک منتظر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی منتظر ہے ناممکن بات کا اور کوئی ممکن بات کا منتظر ہے۔
- دنیا کہتی ہے کہ یہ قبر پرستی ہے۔ ارے قبر پرستی ہوتی تو ہمارے ملک میں قبروں کی کوئی کمی تھی؟ یہ ہم اتنی مسافت طے کر کے وہاں کیوں جاتے؟ معلوم ہوا کہ کسی قبر کی پرستش نہیں ہے، صاحبِ قبر کا رشتہ ہے جو لے آیا۔
- امام حسینؑ نے اپنی پوری زندگی میں جب بھی بیٹے کو دیکھا ہے تو بنظرِ عبادتِ خدا دیکھا ہے، ہمیشہ شبیہ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

شعائرِ الٰہیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ﴿۳۲﴾

(جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ عمل دلوں کی پرہیزگاری کا ایک جزو ہے۔)

جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ کا ایک جزو ہے۔ میں نے عرض کیا کہ عبادت اللہ کے ساتھ ہے۔ کسی اور چیز یا کسی اور شخص کیلئے عبادت نہیں ہوسکتی۔ مگر جہاں تک تعظیم کا تعلق ہے، تو اس کیلئے کہا جارہا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم پرہیزگاری کا ایک جزو ہے۔ تو اس سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اور چیز ہے اور تعظیم اور چیز ہے۔ پیغمبرؐ خدا کی تعظیم کی دعوت جس طرح دی گئی ہے، اس کیلئے میں نے دو آیتیں پڑھی تھیں:

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ

''اس طرح نہ پکارا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ

''اپنی آوازوں کو رسولؐ کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو''۔

اب ایک اور آیت:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ

ارشاد ہو رہا ہے، تائید کی جا رہی ہے کہ وہ جو پیروی کرتے ہیں اس نبی اُمی کی۔ اس وقت ہر ہر لفظ کی تشریح منظور نہیں ہے جسے لکھا ہوا دیکھتے ہیں خود اپنے پاس۔ یعنی اہل کتاب خود اپنے پاس لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ توریت اور انجیل میں اور یہ انہیں نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے اور ان کیلئے اچھی صاف ستھری پاک غذاؤں کو حلال قرار دیتا ہے اور جو خبیث چیزیں ہیں، انہیں منع کرتا ہے، انہیں حرام قرار دیتا ہے اور جو بوجھ ان پر تھے، ان کو دور کرتا ہے اور جو زنجیریں ان کے پیروں میں پڑی ہوئی تھیں، ان کو دور کرتا ہے۔

ایک طویل آیت ہے۔ اس کے ہر جزو کی تشریح نہیں کرنا ہے۔ تو جن لوگوں نے اس پر ایمان اختیار کیا، ''آمَنُوْا بِهٖ'' کے معنی ہیں، اس کے بعد ہے ''عَزَّرُوْهُ''۔ اس کے بعد ہے ''نَصَرُوْهُ''۔ اب ''عَزَّرُوْهُ'' کے معنی لغت میں دیکھئے کیا ہیں؟ ''آمَنُوْا بِهٖ'' کے معنی ہیں ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ جو لوگ ان پر ایمان

لاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ آیا ہے۔ یہی لوگ دین و دنیا کی بہتری حاصل کرتے ہیں۔ تو وہ تو خصوصی انداز سے جن کو میں کہتا ہوں کہ ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ تعظیم ہو، وہ مطلوبِ خالق ہوگی۔ جب تک کہ استثنیٰ نہ ہو، کسی ایک طریقہ تعظیم کو خاص طور پر منع کر دیا جائے تو وہ اور بات ہے لیکن جب تک کہ استثنیٰ نہ کیا جائے، اس وقت تک جو بھی طریق تعظیم ہوگا، وہ اس حکمِ الٰہی میں داخل ہوگا اور یاد رکھنا چاہئے کہ تعظیم ایک عنوان ہے جس کے تحت میں جو جو طریقے ہیں، وہ بہ اختلافِ زمانہ بہ اختلافِ ملک بدلتے رہتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں کوئی طریقہ تعظیم نہ ہو اور دوسرے وقت میں وہ طریقہ تعظیم رواج پا جائے جس طرح توہین۔ وہ جو اس کا مقابل رُخ ہے، وہ بھی ملک، آب وہوا اور زمانہ کے اعتبار سے بدلتی ہے۔ ایک جگہ ایک بات توہین نہیں ہوتی، دوسری جگہ وہ توہین ہوتی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے، اگر شہروں میں نہیں تو دیہاتوں میں پنجاب کے۔ تُو اور تم کہہ کر بات کرنا خاص طور پر کوئی توہین نہیں ہے۔ بعض جگہ گفتگو کا انداز ہی یہی ہے۔ لیکن مثلاً ہمارے ہاں ہندوستان میں اور خصوصاً یوپی میں تم یا تو کہنا یہ تذلیل اور توہین قرار پاتا ہے۔ ویسے بھی تعظیم کے انداز مختلف ملکوں میں، مختلف زمانوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

تو جو حکم خالق کی طرف سے سب کیلئے آئے، وہ ہر ملک کے لحاظ سے اس کی تہذیب کے اعتبار سے اس کے تمدن کے اعتبار سے جو طریقہ تعظیم ہو، اس پر حاوی ہوتا ہے اور ہر ملک کے لحاظ سے جو طریقہ توہین ہو جو طریقہ اہانت ہو، وہ حرام ہو جائے گا بلکہ کفر ہو جائے گا۔ تو اس مصداق کے طریقے بدلتے رہ سکتے ہیں مگر اصل

حقیقت اپنے حال پر قائم رہے گی کہ خالق کی طرف سے تعظیم کا حکم ہے۔ جیسے میں نے کہا کہ ذکر رسولؐ کے دوران قیام بعض جماعتوں میں رائج نہیں ہے۔ بعض جماعتوں میں رائج ہے لیکن رائج جن جماعتوں میں ہے، وہ کس بناء پر؟ تعظیم کی بنا پر۔ لہٰذا وہ قابل اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ اسی تعظیم واحترام میں داخل ہوگا۔ جس کا خالق نے حکم دیا ہے۔

اب ایک اور بات۔ کل کا بیان تھا جس کو میں نے سرنامہ کلام قرار دیا ہے ابتداء ہی میں۔ میں نے کہا کہ تعظیم اور ہوتی ہے، عبادت اور ہوتی ہے۔ یعنی تعظیم اور عبادت ایک چیز نہیں ہے مگر اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسی تعظیم جو حکمِ الٰہی سے ہو، وہ یقیناً عبادت ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ تعظیم کسی کی ہے، عبادت کسی کی ہے۔ تعظیم شعائر اللہ کی ہے اور عبادت اللہ کی ہے، تعظیم رسولؐ کی ہے اور عبادت اللہ کی ہے کیونکہ عبادت اس کی ہے جس کے حکم سے تعظیم اسی کی ہے جس کی تعظیم کا اس نے حکم دیا ہے تو متعلق تعظیم اور ہے، متعلق عبادت اور ہے۔ تو تعظیم بہر حال شرک نہیں ہوسکتی۔۔ اگر حکمِ خدا سے ہو تو عبادت ہوگی۔ اگر از خود ہے یا کسی محرکِ دنیاوی کے لحاظ سے تو وہ عبادت نہیں ہوگی۔ جیسے بہت سے کام ہمارے جو اس کے حکم کی بناء پر نہ ہوں، خود سے ہوں۔ فرض کیجئے کہ کسی حاکمِ ضلع کی تعظیم کر رہے ہیں یا اپنے کسی بزرگ کی تعظیم کر رہے ہیں۔ ماں باپ کی تعظیم کر رہے ہیں۔ تو اگر اس وقت تصور ہو حکمِ خدا کا تو عبادت ہے کیونکہ اس نے حکم دیا ہے تعظیم کا۔

اسی طرح فرض کیجئے اپنے اُستاد کی تعظیم کر رہے ہیں تو وہ بھی اس نے کہا ہے کہ جو تمہیں تعلیم دے، وہ ایسا ہے جیسے تمہارا آقا و مولا عالم دین کی تعظیم کریں کہ وہ اس دین کا عالم ہے۔ تو یہ سب تعظیم عبادت ہوگی۔ اگر کسی امیر کبیر کی اس کی

دولت کی وجہ سے تعظیم کریں تو وہ بس تعظیم ہوگی، عبادت نہیں ہوگی۔ اگر کسی بوڑھے کی اس کے بزرگ ہونے کی وجہ سے بہ اعتبارِ سن تعظیم کی تو وہ بھی حکمِ خدا سے ہے۔ کہا گیا ہے کہ تم میں سے جو سن رسیدہ بڑے لوگ ہیں، ان کی توقیر کرو۔ تو اگر اس کا حکم پیش نظر ہے تو وہ بھی عبادت ہوگی۔

غرض یہ کہ اگر اس کے حکم کے ماتحت تعظیم ہے تو وہ تعظیم بھی ہے اور عبادت بھی ہے۔ مگر تعظیم کسی کی ہے، عبادت کسی کی ہے۔ عبادت ہے خالق کی۔ اب جو طریقے تعظیم کے ہوں، اکثر نام لے لے کر ان کو شرک کہا جاتا ہے، مثلاً جا کر روضہ نبویؐ کی ضریح کو بوسہ دیا تو بہت زیادہ زبان ہی سے شرک شرک نہیں ہوا بلکہ پشت پر تازیانہ بھی پڑ گیا۔ گویا پاداشِ شرک یہیں مل گئی۔ اسی طرح سے اور اسی طرح کے کاموں کو جو شرک کہا جاتا ہے، سجدہ گاہ پر ہم نے سجدہ کر لیا، آواز آئی شرک۔ جب ضریحِ نبویؐ کا بوسہ لینے پر شرک کا حکم لگ گیا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی عَلَم کو، ضریح کو، تعزیہ کو، جو ایامِ عزا میں ہوتے ہیں، اس کا بوسہ لے لیں، تو وہ بھلا کہاں توحید کے دائرے میں ہوگا؟

تو یہ جو ان کاموں کو ترک کر دیا جاتا ہے، میری سمجھ میں تو اس کے معنی ہی نہیں آتے۔ رَد کرنا تو اور بات ہے، وہ تو اس وقت ہے جب مفہوم سمجھ میں آئے اور جب کسی چیز کے معنی ہی سمجھ میں نہ آئیں تو اس کی رَد کیا ہو؟ اب میں عرض کرتا ہوں، خانۂ کعبہ کا طواف ہوتا ہے۔ اب فرض کیجئے کہ کوئی بنظر عقیدت کسی ضریح کا طواف کرے تو بڑی شدت سے آواز آئے گی کہ ''شرک''۔ اسی طرح حجرِ اسود کا بوسہ متفق علیہ ہے لیکن کسی عَلَم کو کوئی بوسہ دے تو آواز آئے گی ''شرک''۔ اور ایک چیز ابھی کہہ چکا کہ ہم نے سجدہ گاہ پر سجدہ کر لیا، کہا گیا کہ 'شرک''۔ اول تو ایک اصولی بات عرض

کروں، وہ خشک بات، یہ ہے اصولی کہ جو شرک ہو، اس میں استثنیٰ کی گنجائش نہیں۔ میری زبان سے لوگ خشک باتیں سن لیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم کہیں کہ شرک ظلم عظیم ہے تو کیا اس میں ''اِلّا'' کی گنجائش ہے کہ سوائے اس کے شرک؟ جیسے اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اب اس میں سوا نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح شرک حرام یا کفر یا ظلم عظیم۔ اس میں ''اِلّا'' کی گنجائش کوئی نہیں ہے کہ سوا اس کے۔

تو میں کہتا ہوں کہ جن جن کو میں نے متفق علیہ کہا۔ طوافِ خانۂ کعبہ، جزوِ حج سب کے نزدیک۔ تو اگر کسی چیز کا طواف شرک ہے تو کیا خانۂ کعبہ کو شریک بنانے پر وہ راضی ہو گیا؟ اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینا متفق علیہ ہے۔ وہ جہاں گویا کارخانہ ہے شرک سازی کا، وہ خود بھی اس پر عامل ہیں۔ حالانکہ ہر صاحبِ فہم غور کرے کہ شباہت بھی ڈرنے کی چیز ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ یہ چیز شرک نہیں ہے مگر تصور ہوتا ہے۔ یعنی ملتی جلتی ہے شرک سے۔ تو یہ ملتا جلتا ہوا ہونا بھی محرک ہو سکتا ہے ہولناک بنانے کا۔ تو اب میں ہر صاحبِ فہم کو دعوت دیتا ہوں کہ یہ حجر اسود کو بوسہ دینے کا جو حکم ہوا تو یہ تو پتھر ہے اور انہی پتھروں کو تو پوجتے تھے یعنی جنس اور نوع کے اعتبار سے اسی شرک کی قسم ہے جو مشرکین کرتے تھے۔ مگر پھر بھی یہ ہی نہیں کہ حرام نہیں بلکہ جزوِ حج۔ یعنی امکان ہو تو بوسہ دے، نہ امکان ہو تو اِستلام کرے۔ مجمع کی کثرت کی وجہ سے رسائی نہ ہو تو استلام کرے یعنی ہاتھ سے یوں کرے اور وہ پاس نہ جا سکے تو دور سے۔

ارے ہمیں لوگ کہتے ہیں کہ اتنی دور سے زیارت پڑھنے کا کیا فائدہ؟ وہاں نہیں سوچتے کہ دو گز سے یوں کیا اور پھر یوں کر لیا، اس سے کیا فائدہ؟ میں کہتا ہوں کہ یہ عمل جذبۂ احترام کا مظہر ہے۔ اب یہ سب کے نزدیک عبادت

حالانکہ جو واقعی شرک تھا، اس سے صورت و شکل میں کتنا قریب ہے۔ اب وہاں ایک بام و در ہوا۔ حجر اسود کو جا کر بوسہ دیا تو دیکھتے رہے۔ وہاں بھی تو کوڑے چلتے ہیں مگر وہاں وہ روکنے کیلئے نہیں، اس لئے کہ دوسروں کو موقع دیں۔

بس! بعض ہیں کہ لپٹے ہوئے ہیں اور ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔ تو ان کے لئے کوڑا چلتا ہے کہ بس تم بوسہ لے چکے، اب ہٹو۔ اب دوسروں کو موقع دو۔ تو وہاں یہ ترکیب وتحریص ہے۔ گویا اس کیلئے دوسروں کو موقع دینا، یہ امداد ہے، اس کی اعانت ہے۔ اس عملِ خیر میں مگر اسی وقت رکن یمانی کو، جو اس کے مقابل میں رُخ ہے، گوشہ ہے خانۂ کعبہ کا، اس کو اگر بوسہ دے لیا تو پھر چاروں طرف سے اعتراض کی آوازیں آنے لگیں۔ تو اس گوشہ کا بوسہ لینا روا، اس گوشہ کا بوسہ لینا ناروا۔

یہاں فقہ کا اختلاف ہے، ہمارے ہاں مستحب ہے رکن یمانی کا بوسہ لینا، ان کے ہاں استلام تو ہے اس کا بھی لیکن وہ جو بوسہ لینا ہے، وہ نہیں۔ میں نے کہا جو شرک ہے اس میں، استثنیٰ کی گنجائش نہیں۔ اگر شرک ہے تو پھر حجر اسود کا بوسہ لینا بھی ناروا ہونا چاہئے اور جب حجر اسود کا بوسہ لینے کی اجازت ہی نہیں ہے بلکہ حکم ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ شرک تو نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کا حکم نہیں ہے۔ تو جس بات کا حکم نہ ہو، وہ حرام تو نہیں ہو جاتی۔ اب جو جو غذائیں آپ کھاتے ہیں، ان کے کھانے کا کہاں حکم ہے؟ جو آپ پیتے ہیں، ان کے پینے کا کہاں حکم ہے؟ تو حکم ہونا اور بات ہے، ممانعت ہونا اور بات ہے۔ جب تک ممانعت نہ ہو، اس وقت تک جائز ہے۔ حجر اسود کا بوسہ لینے کا حکم ہے۔ اس کے غیر کے بوسہ لینے کا حکم نہیں ہے۔

تو اچھا صاحب! آپ عبادت نہ مانئے اس کو، عبادتِ خدا نہ مانئے لیکن وہ

شرک کیونکر ہو جائے گا؟ جو شے شرک ہو، وہ کسی وقت میں بھی نہیں ہے۔ ہاں! میں نے کہا تھا کہ کسی طریقہ تعظیم کی کسی طور سے ممانعت ہوجائے، وہ بھی شرک نہیں ہوگا، گناہ ہوگا۔ شرک میں اور گناہ میں فرق ہے اور میں صاف طور پر کہوں کہ سجدہ طریقہ تعظیم، اسے ہمارے سواداعظم کا ایک طبقہ یعنی صوفیاء کا ایک گروہ جائز سمجھتا ہے اور بڑا گروہ مخالف ہے۔ ہمارے ہاں بھی شرعاً سجدہ جائز نہیں ہے کسی کو۔ اس کیلئے احادیث ہیں پیغمبرؐ خدا کی۔ دوقسم کی حدیثیں میری نظر میں سے گزریں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ اگر سجدہ غیراللہ کو جائز ہوتا، اب یہ بات آج کے ترقی پسند زمانہ کے تقاضوں کے خلاف ہے، مگر کیا کیا جائے کہ ہمارے رسولؐ اتنے ترقی پسند نہیں تھے۔ اگر سجدہ غیراللہ کو جائز ہوتا تو میں بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ اگر سجدہ جائز ہوتا ۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ جائز نہیں ہے۔ اب یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ اگر سجدہ غیراللہ کو جائز ہوتا تو میں شاگردوں کو حکم دیتا کہ وہ اُستاد کو سجدہ کریں۔ اب کوئی فقیہ اگر جرأت استنباط رکھتا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جب شاگرد کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے استاد کو سجدہ کرے تو پھر بیٹے کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اپنے باپ کو سجدہ کرے کیونکہ اُستاد کو بھی کہا گیا ہے کہ وہ آبائے ثلاثہ یعنی تین قسم کے باپوں میں سے ہیں۔ تو باپ ہونے کی حیثیت سے اس کی عزت ہے تو جب اس کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو جو واقعی باپ ہے، اس کیلئے سجدہ کیوں نہ جائز ہوتا؟

لیکن اگر یہ ہوتا، اگر ہوتا، اسی نے بتادیا کہ جائز نہیں ہے۔ لٰہذا ہم سجدۂ تعظیم کو جائز نہیں سمجھتے۔ مگر شرک کہنا غلط ہے۔ سجدہ بھی اگر بنظر تعظیم کرے تو وہ میرے نزدیک گناہ ہے، شرک نہیں ہے۔ اس کی دلیل، میں نے کہا کہ جو شرک ہے، اس میں استثنٰی کی گنجائش نہیں، تو جو شرک ہے، اس میں شریعت کی تبدیلی کا بھی اثر

نہیں کیونکہ:

"اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ"۔

اصولِ دین تمام انبیاء میں ایک ہے۔ توحید اور شرک اصولِ دین سے متعلق۔ ثواب اور گناہ، یہ فروعِ دین سے متعلق۔ تو اگر شرک ہوتا تو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیتا۔ اگر شرک ہوتا تو برادرانِ یوسفؑ اور یعقوبؑ، یعقوبؑ کی آنکھوں کے سامنے اور ان کی مرضی سے یوسفؑ کو سجدہ نہ کرتے اور یہ سب باتیں قرآن سے ثابت۔

ہمارے اوپر وہ سندیں پیش نہیں کی جاسکتیں کیونکہ ہم کہیں گے کہ اب ہم شریعتِ اسلام کے پیرو ہیں۔ اس وقت سجدۂ تعظیمی جائز تھا اور اس وقت پیغمبرؐ اسلام نے کہہ دیا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ مگر شریعتوں میں تبدیلی ہوتی ہے، اصولِ دین میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب جب ناجائز ہوگیا ہے، تب بھی گناہ ہے، شرک ہوتو کسی دور میں بھی جائز نہ ہوسکتا۔

اب جو بات میں نے شروع کی تھی، بیچ میں اس کا دوسرا جزو آ گیا، میں نے کہا کہ میری سمجھ میں تو اس کے معنی ہی نہیں آتے۔ اب یہیں سے شروع کروں، کہتے ہیں کہ سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا شرک ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سجدہ گاہ کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی پیشانی کے نیچے۔ اس کیلئے ایک تمہید کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ شرک ہوتا کیا ہے؟ جو بات خدا سے خاص ہو، اسے کسی دوسرے کیلئے صرف کرنا مثلاً خداوند عالم خالقِ حقیقی ہے۔ اب کسی دوسرے کو خالق مانیں، اس کے ذاتی ارادہ واختیار سے خود اس کی ذاتی طاقت سے تو وہ شرک ہوجائے گا۔ اللہ بطورِ معجزہ کسی کے ہاتھ میں خلق کروادے، وہ اور بات ہے۔ لیکن خالقِ حقیقی بس ایک رازقِ حقیقی، بس ایک ربِ حقیقی، بس ایک۔ یہ

باتیں کسی دوسرے کیلئے ثابت کر دی جائیں تو وہ شرک ہوجائے گا۔ یا جیسے میں نے کہا کہ عبادت جس سے خاص ہے، عبادت کسی دوسرے کی کرے۔ اب عبادت کے معنی کیا ہیں؟ اللہ ہونے کا تصور کر کے کوئی عمل کرے۔ اس کا نام عبادت۔ کسی دوسرے کیلئے اسی تصور کے ساتھ کرے تو وہ شرک ہوجائے گا۔ لیکن جو بات اللہ کیلئے ہو ہی نہ سکتی ہو، اُسے غیر اللہ کیلئے ثابت کریں تو وہ شرک کیونکر ہوگا؟

اللہ کیلئے کوئی بات ہوتی ہو اور اُسے غیر اللہ کیلئے ثابت کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ شرک ہے اور جو بات ہوتی ہو غیر اللہ کیلئے، اُسے غیر اللہ کیلئے ثابت کریں، مثلاً کسی باپ ماں سے پیدا ہونا، یہ غیر اللہ سے خاص ہے۔ تو اب ہم کسی کی ولادت، وہ چاہے کعبہ میں ہو، وہ ولادت بیان کریں یہ کہہ کر کہ خدا کے گھر میں ہوئی تو گھر خدا کا ہے مگر ولادت تو غیر اللہ ہی کی ہوگی۔ اسے کیونکر کہا جائے گا ''شرک''۔ یہاں تیرہ رجب کی محفل تھی، ولادتِ جنابِ امیر علیہ السلام کا بیان تھا تو ایک صاحب نے پوچھ لیا کہ اگر یہ بہت بڑی فضیلت ہے تو آخر رسولؐ کیوں نہیں پیدا ہوئے کعبہ میں؟ اللہ نے یہ بات رسولؐ کے لئے کیوں نہیں رکھی؟ انہی کو کیوں کعبہ میں پیدا ہونے کا موقع دیا؟

بظاہر تو سوال مشکل تھا مگر میں نے جو عرض کیا کہ ہاں، یوں تو خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ بندہ ایک راز کی بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے؟ مگر کچھ میری سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ رسولؐ کو بعد میں خدا کہنے والی کوئی جماعت پیدا ہونے والی نہیں تھی علم الٰہی میں مگر اس کے علم میں اس بندے کیلئے بعد میں خدا کہنے والے پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے اس کی ولادت کو نمایاں کرنے کی ضرورت تھی کہ دیکھو! یہ خدا نہیں ہیں، یہ تو پیدا ہوئے ہیں۔

تو ولادت چونکہ غیر اللہ کیلئے خاص چیز ہے، تو اگر ہم کسی کی ولادت کو کتنا ہی فضیلت کے ساتھ بیان کریں تو یہ تو ثبوت ہے اس کا کہ ہم نے انہیں خدا نہیں سمجھا ہے۔ اس میں شرک کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ جو بات غیر اللہ کیلئے خاص ہے، اس کو ثابت کریں غیر اللہ کیلئے تو شرک کیسے ہوگا؟

تو اب دیکھئے کہ سجدہ گاہ پیشانی کے نیچے ہے، کیا یہ بات اللہ کیلئے ہو سکتی ہے؟ کیا ہماری پیشانی کے نیچے اُس کا دستِ حق پرست آ سکتا ہے؟ کبھی (معاذ اللہ) اس کا کوئی جسم کا حصہ۔ جسم ہی وہاں کہاں ہے جو ہماری پیشانی کے نیچے ہو۔ ہماری پیشانی کے نیچے جو ہوگا، کوئی جسم کا حصہ ہوگا۔ تو یہ بات تو غیر اللہ کیلئے خاص ہے تو کسی غیر اللہ کیلئے ہم وہ عمل کریں تو شرک کہاں سے ہوگا؟ یعنی اگر آپ اپنے کپڑے پر سجدہ کر لیں تو وہ شریکِ خدا نہ ہو، ماشاءاللہ قالین پر سجدہ کر لیں تو وہ شریکِ خدا نہ ہو اور ہم خاکِ شفا پر، ارے مٹی کی جنس پر سجدہ کریں، جو خاکساری کا نشان ہے، قالین پر سجدہ میں تو پھر بھی امارت پسندی کا ایک پہلو ہے، خاک پر سجدہ بوریا نشینوں کی علامت ہے۔ جتنی قیمتی چیزیں بچھی ہوئی ہوں، چاہے وہ ریشم کا فرش ہو، چاہے وہ زرتار ہو، اس میں سونا لگا ہوا ہو، جواہر لگے ہوئے ہوں۔ مگر جب نماز پڑھیں گے تو خاک کی ٹکیہ لائیں گے۔ دنیا اسے خاک کی ٹکیہ ہی کہے گی۔ بہرحال ہم اُسے پیشانی کے نیچے رکھیں گے۔ یعنی یہ ایک اظہار ہوگا کہ ہم ان تمام اسبابِ ثروت کو ذلیل سمجھتے ہیں اور اس کی ہمارے نزدیک کوئی عزت نہیں۔ اُسے بوسہ نہیں دیتے، اِسے بوسہ دیتے ہیں، اِسے قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔

اب تو بنظرِ شرف کربلا کی خاک کہتے ہیں ورنہ مسئلہ حقیقی کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ وہ تو ایک اصول ہے۔ درخت کا پتہ لے لیتے ہیں۔ پنکھا ہوتا

ہے، وہ رکھ لیتے ہیں، چٹائی ہوتی ہے، اس پر سجدہ کر لیتے ہیں۔ اگر خاکِ شفا ہے تو اُسے ترجیح دے دیتے ہیں۔ اسے شرک کہنے کے کیا معنی ہیں؟ کس چیز کا شرک؟ یعنی بوسہ دیا ضریح کو، وہ بہت بڑا شرک۔ میں کہتا ہوں بوسہ دینے کی کیا حقیقت ہے؟ ہمارے لب کسی جسم سے متصل ہوں، یہی معنی تو بوسے کے ہیں۔ تو وہی بات کہ کیا ہمارے لب اللہ سبحانہ کے کسی جزو سے متصل ہو سکتے ہیں؟ یہ جب بھی ہوگا کسی جسم کے ساتھ ہوگا۔ کسی مخلوق کے ساتھ ہوگا۔ اب میری عمر ایسی نہیں، ان باتوں کو پیش کرنا اور پھر جلالتِ منبر مانع ہے، اگر منبر کا حق کوئی سمجھتا ہو تو بڑی نازک منزل ہے۔ عرفی نے اس قصیدہ میں، جو نعتِ رسولؐ میں کہا تھا، بڑا معرکہ آرا قصیدہ، اس میں کہا تھا:

ھشدار کہ پا برسر تیغ است قلم را
''ہوش رکھو کہ قلم کا پیر تلوار پر ہے''۔

بادشاہوں کی تعریف کر لینا آسان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کی تعریف کرنا جو شایانِ شان ہو، وہ بڑی نازک منزل ہے۔ قلم کا پاؤں تلوار پر ہے۔ تو اب اس میں ذرا سے تصرف کے ساتھ میں یہ کہوں گا کہ اگر منبر کے محل کی عظمت کا احساس ہو تو ہر خطیب اپنے دل سے کہے ''ھشدار کہ پر برسر تیغ است زبان را''۔ ہوش رکھو کہ زبان کا پاؤں تلوار کی دھار پر ہے''۔ یہ مقامِ منبر نہ مذاق کا متقاضی ہے، نہ بے فائدہ باتوں کا متقاضی ہے۔ اس میں حقیقت ہونی چاہئے۔ اس میں وہ ہونا چاہئے جو منبر کے شایانِ شان ہو۔ مگر اپنی غیر شاعرانہ زبان میں کہوں گا کہ جناب! بوسہ لینا جذباتِ نفس کی تحریک سے ہو تو شرک نہ ہوا اور ازروئے عقیدت ہو تو شرک ہو جائے۔ اب طواف کرنا، میں نے کہا کہ خانۂ کعبہ میں متفق علیہ، کوئی امام

بارگاہ کا طواف کرے، کوئی ضریح کا طواف کرے، کوئی روضۂ حسینؑ کا طواف کرے، کوئی کہے غضب کیا، غضب کیا۔ میں کہتا ہوں کہ غضب کیا کیا؟ طواف کیا ہوتا ہے؟ بیچ میں کوئی شخص یا کوئی چیز اور اس کے گرد چکر لگانا۔ تو کیا کبھی آپ کو اللہ سبحانہ ملے گا کہ اس کے گرد چکر لگایئے۔ کوئی زبان سے کہے یا نہ کہے مگر جسمانیت کے تقاضے ثابت کرتا ہے۔ تو وہ بھی اس کی عظمت کا تصور یہ رکھتا ہے کہ عرش پر نہیں سماتا۔ تو پھر آپ کیا چکر لگائیں گے؟ مگر ہم تو کہتے ہیں کہ جسمانیت سے بری ہے۔ تو وہاں تو چکر لگانے کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی عمارت کے گرد، کسی شے کے گرد چکر لگایا جائے گا تو کوئی معنی ہی نہیں طواف کو عبادت سمجھنے کے۔

ہاں! ہر چیز میں معنی پیدا ہو جائیں گے اگر جس کا چکر لگا رہے ہیں، اسے خدا سمجھ لیں۔ اگر جس کا بوسہ لے رہے ہیں، اُسے خدا سمجھ لیں تو شرک ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ شرک بوسہ لینے سے نہیں ہوا ہے، خدا سمجھنے سے ہوا ہے اور ایک جملہ کہہ کر آگے بڑھوں کہ خدا سمجھ کر آنکھ سے ایک اشارہ ہوگا تو شرک ہوگا اور بغیر خدا سمجھے ہوئے سجدہ بھی ہوگا تو شرک نہیں ہوگا۔

جناب! تعظیم کے تقاضے سب جانتے ہیں۔ تعظیم کبھی راہِ راست ہوتی ہے اور کبھی اضافتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تو اب میں مثالوں سے ثابت کروں گا کہ اضافتوں کے ساتھ جو تعظیم ہے، وہ بڑے درجہ کی تعظیم ہوتی ہے۔

ایک صاحب، کوئی عالمِ دین، کوئی صاحبِ دولت آئے، حاکمِ ضلع آئے، آپ کھڑے ہو گئے تعظیم کیلئے، مگر اب وہ نہیں آئے، ان کا چھوٹا بچہ آ گیا مگر اب اس بچے کو دیکھ کر آپ تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا یہ آپ اس بچے کی تعظیم کر رہے ہیں؟ آپ نے کہا: جانتے نہیں کس کا بچہ ہے؟ تو بتایئے جب خود ان کیلئے

آپ کھڑے ہوئے تھے، وہ بڑے درجہ کی تعظیم تھی یا یہ بڑے درجہ کی تعظیم ہوئی؟

جناب! وہ خود بھی نہیں آئے، نہ بچے کو بھیجا۔ ارے ان کا نوکر آ گیا۔ نوکر صورت شکل سے کوئی دیہاتی آدمی ہے۔ آپ اس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا: ارے آپ اس دہقانی کی تعظیم کرتے ہیں؟ آپ نے کہا: اسے نہ دیکھو، یہ دیکھو کہ کس کا نوکر ہے۔

اب دیکھئے! بیٹے کی تعظیم کو جو کھڑے ہوئے تھے، اس سے بھی یہ تعظیم بڑھ گئی۔ اور اب جناب! وہ ان کا بھیجا ہوا کوئی بھی نہیں۔ ڈاکئے نے لا کر ان کا خط دیا۔ روز ڈاکئے سے خط لیتے تھے، چپکے بیٹھے رہتے تھے۔ آج ڈاکئے نے خط دیا اور آپ سروقد کھڑے ہو گئے دیکھتے ہی۔ کسی نے کہا: ارے بھئی کیا ہوا؟ کہا: یہ فلاں قبلہ کا خط ہے۔ تم جانتے ہو یہ کس کا خط ہے؟ حالانکہ یہ تو بے جان ہے۔ مگر یہ تعظیم اُن سب تعظیموں سے بڑھی ہوئی ہے۔ معلوم ہوا کہ جتنا رشتہ دور کا ہو، اور پھر بھی جذبۂ تعظیم باقی رہے، وہ اس مرکز کی سب سے بڑی تعظیم ہو گی۔

میری عادت نہیں کہ کسی کی نسبت بدگمانی سے کام لوں۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی جماعت ہے جس میں جذبہ ہے اللہ کی تعظیم کا۔ مگر اقبال کی زبان میں کہوں کہ ہزاروں سجدے جبینوں میں تڑپتے رہے اس انتظار میں کہ وہ ملے تو سجدے کریں۔ نہ وہ ملے گا، نہ سجدے ہوں گے۔ ارے ایک طبقہ کو اُمید ہے کہ اس دارِ دنیا میں نہ سہی، وہاں سہی۔ ایک طبقے کو اُمید ہے کہ ملے گا۔ مجھے ہمدردی ہے کہ وہ اس دن کے منتظر ہیں کیونکہ مجھے انتظار کرنے والوں سے ہمدردی ہوا کرتی ہے اور اس سے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ قسمتِ مسلم میں انتظار لکھا ہوا ہے۔ ہر ایک منتظر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی منتظر ہے ناممکن بات کا اور کوئی منتظر ہے ممکن بات کا۔

تو جناب! یہ بس انتظار میں ہے کہ وہ ملے۔ اب ایک جماعت ہے بیچاری جسے وہ نہیں ملتا اور جذباتِ تعظیم ہیں۔ اب اس تک نہیں پہنچتے۔ اتفاق سے چودہ سو برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت رسولؐ خدا کے سامنے حاضر ہو گئے۔ آپؐ کے دستِ حق پرست کو بوسہ دیا۔ اب وہ جو پنجاب کا طریقہ ہے، مثلاً پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ جو کچھ ممکن تھا، فرض کیجئے طواف بھی کر لیا۔ اب آپ نے کہا ''شرک''۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے پوچھئے کس کے ہاتھ کو بوسہ دے رہا ہے؟ اگر وہ کہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تاجدار کے ہاتھ پر بوسہ دے رہا ہوں تو دنیا دار ہے، اگر کہے کہ حاکمِ عرب کو بوسہ دے رہا ہوں تو میں سمجھوں گا کہ دنیا پرست ہے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ اللہ کے رسولؐ کے ہاتھ کو تو سمجھ لیجئے کہ وہ عظمتِ خدا ہے جو اس عمل کو اُس سے کروا رہی ہے۔

تو ایک درجہ اونچا ہے اس کی تعظیم کا۔ اور اب کوئی شخص ہے جو بعد میں پیدا ہوا اور پیغمبرؐ خدا اس کے سامنے نہیں ہیں۔ ایک آلِ رسولؐ ہے، اولادِ رسولؐ۔ اب اس نے جو جذبات محبت، وعقیدت تھے، ان کو صرف کیا ان کی خدمت میں۔ کیوں؟ اس لئے کہ رسولؐ خدا کے یہ نور سے ہیں۔ یہ بیٹے ہیں، رسولِؐ خدا کی اولاد ہیں۔ تو دیکھئے! وہ جذبۂ عقیدت اور جذبۂ تعظیم خدا کا ہے جو وہاں تک پہنچ رہا ہے۔ اور اب بدنصیبی سے اس دور میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ اب ان کی ضریح مطہر سامنے ہے اور ضریحِ مطہر کو جا کر بوسہ دیتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ جاہل سے جاہل دیہات کا رہنے والا آج کا مسلمان، اس سے پوچھئے کہ کس کی زیارت کو آئے ہو؟ کیا وہ کہے گا کہ خاندانِ بنی ہاشم کے ایک بڑے آدمی کی زیارت کو آیا ہوں؟ کیا وہ کہے گا کہ تاجدارِ مدینہ؟ مجازاً کہ تاجدارِ مدینہ؟ مجازاً آپ کہہ

لیں مدینہ کے بادشاہ کی زیارت کوآیا ہوں۔ کیا وہ کہے گا کہ قومِ عرب کے سردار کی زیارت کوآیا ہوں؟ جاہل سے جاہل آدمی بھی کہے گا کہ رسولؐ اللہ کی قبر کی زیارت کوآیا ہوں۔

دنیا کہتی ہے کہ قبر پرستی ہے، قبر پرستی ہے۔ ارے قبر پرستی ہوتی تو ہمارے ملک میں قبروں کی کوئی کمی تھی؟ یہ ہم اتنی مسافت طے کر کے وہاں کیوں جاتے؟ معلوم ہوا کسی قبر کی پرستش نہیں ہے، صاحبِ قبر کا رشتہ ہے جو لے آیا ہے۔

اب فرض کیجئے کہ ہم دور افتادہ ہیں، ہماری رسائی کربلا تک نہیں ہے۔ رکاوٹیں ایسی ہوگئی ہیں کہ پہنچنا اب اس دَور میں تو آسان نہیں رہا ہے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں کہ آپ سب بھی دعا کریں کہ سب رکاوٹیں پروردگارِ عالم دور کرے تو یہ ہماری تمنا ہے کہ وہاں پہنچیں۔ اب وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ویسے بھی ہر دور میں ہر ایک کے حالات تو نہیں ہوتے کہ وہاں ہر وقت پہنچ سکے۔ لہٰذا اس نے قبر کی شبیہ تیار کی، ضریح کی شبیہ تیار کی۔ اب وہ اس کا احترام کر رہا ہے، اس کا طواف کر رہا ہے، اس کو بوسہ دے رہا ہے۔ آپ کہتے ہیں: اوہ! شرک ہوگیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہی اجزائے ضریح دوکان پر بھی تو تھے۔ ہم نے وہاں جا کر ان کی تعظیم کیوں نہ کی؟ جب ان میں ایک شکل پیدا ہوئی کہ کسی خاص ضریح کی شبیہ بن گئے تو معلوم ہوا کہ وہی جذبہ ہے۔ اب یہ جذبہ کی قوت پر انحصار ہے کہ کتنی دور تک لہریں جاتی ہیں جن کا جذبۂ محبت قوی ہے۔ ان کیلئے رسولؐ کا حکم رہنمائی کیلئے ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں، ان میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں آیا اور اُس نے یہ کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ

میں نے نذر کی ہے کہ میں پیشانی حورعین اور جنت کی چوکھٹ پر بوسہ دے رہا ہوں۔ چوکھٹ پر جنت کی اور پیشانی پر حورعین کی۔ اول تو ماشاءاللہ آپ ہر موقع پر نکتہ رس ثابت ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پہلے رسولؐ کو یہ کہنا چاہئے کہ یہ تمہارا خواب شیطان کا دکھایا ہوا ہے۔ بھلا بوسہ بھی کہیں ہوتا ہے؟ یعنی گویا خواب میں بھی یا اس نے نذر کی شرک کی۔ تو پیغمبرؐ کا کام ہی ہے توحید کی طرف بلانا۔ تو آپ کو پہلے ہی اس کی زبان پکڑنا چاہئے کہ ارے یہ کیا؟ یہ شرک تم نے خواب میں دیکھا یا شرک کی تم نے نذر کی؟

تو جناب! اُس نے یہ کہا کہ پیشانی حورعین اور جنت کی چوکھت کو بوسہ دے رہا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ تمہیں یہ کرنا چاہئے کہ باپ کی پیشانی اور ماں کے قدموں کو بوسہ دے لو۔ اُس نے کہا کہ حضورؐ! میرے ماں باپ زندہ نہیں ہیں، وفات پا چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ان کی قبریں ہیں؟ دونوں کی قبروں کو جا کر بوسہ دے لو۔

دیکھئے! کیا رسولؐ اللہ قبر پرستی کی تعلیم دے رہے ہیں؟ فرمایا: اگر دونوں کی قبریں ہیں تو دونوں کی قبروں کا جا کر بوسہ لے لو۔ اُس نے کہا: حضورؐ! قبروں کا پتہ نہیں ہے۔ میں کم سن تھا، دونوں اس وقت دنیا سے اٹھ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ قبریں کہاں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: دو لکیریں کھینچو، ایک پر اس کا نام لکھو، ایک پر اُس کا نام لکھوا اور ان کو بوسہ دے لو۔

مصائب

میں کہتا ہوں یہ بھی ہمارے مولاؑ نے نہیں لکھوایا کہ کسی زیارت کے مشتاق ہو تو شبیہ کو دیکھ کر زیارت کا شوق پورا کر لو۔ کچھ حضرات کا ذہن منتقل ہو گیا ہوگا۔ مگر

میں کہتا ہوں کہ ہمارے امامؑ کو اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کی ایک زندہ شبیہ عطا کی تھی۔ وہ کون؟ شہزادہ علی اکبرؑ۔ اسی وجہ سے یہ علی اکبرؑ کی خصوصیت ہے کربلا میں، کسی کے جاتے وقت حسینؑ نے اللہ کو گواہ نہیں بنایا۔ مگر جب علی اکبرؑ جا رہے ہیں تو ہاتھ اٹھا دیتے ہیں دربارِ الٰہی میں:

"اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ وَاَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَ خُلُقًا وَ مَنْطِقًا بِنَبِيِّكَ وَ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلٰى وَجْهِهٖ"۔

''خداوندا! تو گواہ رہنا اس قوم کے ظلم پر کہ اب وہ جا رہا ہے''۔

ماشاء اللہ آپ غور سے سن رہے ہیں۔ امامؑ کیا کیا کہہ سکتے تھے۔ کون جا رہا ہے؟ یہ کہہ سکتے تھے کہ میری ضعیفی کا سہارا جا رہا ہے۔ یہ کہہ سکتے تھے کہ بھرے گھر کی رونق جا رہا ہے۔ یہ کہہ سکتے تھے کہ پھوپھی کا اٹھارہ برس کا ریاض جا رہا ہے۔ یہ کہہ سکتے تھے کہ ماں کے دل کی ڈھارس جا رہی ہے۔ ارے! کہہ سکتے تھے کہ میرا اکڑیل جوان جا رہا ہے۔ مگر مولاؑ نے یہ نہیں کہا۔ کہتے ہیں:

''پروردگار! گواہ رہنا کہ وہ جا رہا ہے جو صورت و سیرت، گفتار و رفتار میں تیرے رسولؐ سے دنیا میں سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ پروردگار! جب ہم تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اپنے اس جوان کو دیکھ لیتے تھے''۔

میں کہتا ہوں کہ جب سے علی اکبرؑ پیدا ہوئے، امامؑ نے کتنی مرتبہ علی اکبرؑ کو

دیکھا ہوگا۔ مگر آج امامؑ نے اپنی پوری عمر کی سیرت کی تفسیر کر دی۔ اس پوری عمر میں جب بھی بیٹے کو دیکھا تو بنظرِ عبادتِ خدا دیکھا ہے۔ ہمیشہ رسولؐ کی شبیہ ہونے کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

اور اسی وجہ سے ایک خصوصیت علی اکبرؑ میں پیدا ہوگئی، میرا خیال یہ ہے، اسی وجہ سے اور وہ کیا ہے؟ جسے رخصت کر دیا، بس رخصت کر دیا، مگر علیؑ اکبر کو جب رخصت کیا تو مولاؑ اپنی جگہ کھڑے نہیں رہ سکتے، دور تک علی اکبرؑ کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور پکار کر کہہ رہے تھے کہ اے بیٹا! جب تک سامنا رہے، مڑ مڑ کر اِدھر دیکھتے رہنا!

اب مناجاتِ حسین علیہ السلام کی روشنی میں مَیں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ بیٹے کی محبت تھی یا شبیہِ رسول کی تعظیم تھی، شبیہِ رسول کی عزت تھی۔ آپ بھی جب تعزیہ، ضریح، علَم وغیرہ کی زیارت کیلئے جاتے ہیں تو پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ تو مولاؑ شبیہِ رسول کی مشایعت کر رہے تھے۔

بس اہلِ عزا! اب آخری جز و مصائب کا عرض کروں کہ مجھے ایک کے صبر کی داد دینا ہے جس کیلئے مولاؑ اپنی جگہ کھڑے نہ رہ سکے ہوں۔ مگر ماں نے خیمے کے باہر قدم نہیں نکالا، حالانکہ اس خاندان کی بیٹی نہیں ہے۔ بخدا! اس رشتہ کی عزت کربلا کی بہوؤں نے رکھ لی۔ یہ صرف اس خاندان کی بہو ہے۔ مگر ان کا ضبط دیکھئے کہ انہوں نے خیمے سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہاں! خیمے کے اندر بھی بیٹھا نہیں گیا، درِ خیمہ پر پسِ پردہ کھڑی ہوئی ہیں، اُدھر نہیں دیکھتیں جدھر علی اکبرؑ گئے ہیں۔

کیوں؟ کیونکہ اُدھر نامحرموں کی فوج ہے۔ مولاؑ کے چہرے پر نظر کہ یہ امامؑ سہی مگر باپ کا دل ہے۔ اگر میرے بیٹے کے کوئی زخم آئے گا، کوئی گزند پہنچے گا تو

امام کا چہرہ ضرور متغیر ہوگا۔ ہاں اہلِ عزا! وہ منزل آ گئی، ایک دفعہ امام کا چہرہ متغیر ہوا اور لیلیٰ نے تڑپ کر پوچھا کہ کیوں مولاؑ! میرے بچے کی تو خیر ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ ہاں! علیؑ اکبر زندہ سلامت ہے مگر ایک نامی پہلوان مقابلے کو آ گیا ہے، وہ سیر وسیراب ہے اور میرا بچہ تین دن سے بھوکا پیاسا ہے۔ اس لئے مجھے اس کے مقابلے میں بھی علیؑ اکبر کے لئے خطرہ ہے۔ میں کہتا ہوں جسے مرنے کیلئے بھیجا ہے، اس کیلئے خطرہ کیسا؟ مگر یاد رکھئے کہ یہ آلِ محمد ہیں۔ مظلوم ہونا پسند کرتے ہیں، مغلوب ہونا پسند نہیں کرتے۔ وہ ایک کو مل کر ہزار لیں، یہ اور بات ہے مگر علی کا پوتا کسی ایک کے مقابلہ میں اُس کی تلوار سے شہید ہو جائے، یہ مولاؑ کو گوارہ نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: اے لیلیٰ! یہاں کیوں کھڑی ہو؟ میں نے نانا سے سنا ہے کہ ماں کی دعا بیٹے کے حق میں قبول ہوتی ہے، جاؤ خیمے میں، اپنے بچے کی فتح کی دعا کرو۔ حکمِ امام سے مجبور ہو کر چلی تو گئیں مگر یہ سوچتی ہوئی کہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا درِ خیمہ پر بھی کھڑا ہونا امامؑ کو پسند نہیں آیا۔ ارے دعا کرنا تھی تو امامؑ خود دعا کر دیتے، یہ مجھے کیوں ہٹایا؟ یہ سوچتی ہوئی گئیں، اس لئے احترامِ حکمِ امام میں دعا تو کر لی، کہا: اے زینب واُم کلثوم، اے رباب، اے سکینہ، اے فاطمہ! آؤ میں اپنے بچے کی فتح کی دعا کروں گی۔ دعا کی: خداوندا! اس دشمن پر علیؑ اکبر کو فتحیاب کر۔ ابھی سوکھی ہوئی زبان پر دعا نا تمام تھی کہ اپنے مقابل دشمن پر علیؑ اکبر فتحیاب ہوئے۔ مگر منشائے امام سمجھ گئی تھیں۔ بس انہی جملوں پر ختم کروں گا۔ سمجھ گئی تھیں مولاؑ کا منشاء، اس لئے دعا کر کے پھر درِ خیمہ پر نہیں آئیں۔ علی اکبر کی لاش آ گئی مگر لیلیٰ نے قدم باہر نہیں رکھا۔

مجلسِ سوم

- ایک مرتبہ خانۂ خدا کے بارے میں فلم دکھائی گئی تو اس کے خلاف کافی تعداد میں مولوی صاحبان اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب میں نے لوگوں سے اس فلم کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں آلِ رسولؐ کا ذکر ذرا زیادہ ہے۔
- کیا اللہ تعالیٰ خانۂ کعبہ میں رہتا ہے، وہ اس میں سکونت تو نہیں رکھتا۔ کوئی قائل نہیں کہ اللہ اس میں سکونت رکھتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسے ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے۔
- میں کہتا ہوں کہ ہم چاہے کتنے ہی سادہ لوح ہوں، ہم اپنے ان شعائر کی افادیت کو نہ سمجھیں مگر کچھ لوگوں کی مخالفت سے ہم سمجھ رہے ہیں کہ یہ ہماری زندگی کیلئے کوئی ضروری چیز ہے۔
- ارے! میں تو کہتا ہوں کہ ایک ہی مہینے کا فرق ہے، وہ قربانی دس ذی الحجہ کو، یہ قربانی دس محرم کو۔ اس قربانی کی یادگار پر اتنا زور دیتا ہے اور اس قربانی کے خلاف فتویٰ دیتا ہے؟
- اب انسان اگر آلِ رسولؐ کے کام نہ آئے ہوں تو ہم ان انسانوں کو بھول جائیں گے۔ مگر اس جانور کو یاد رکھیں گے جو آلِ رسولؐ کے کام آیا۔ ذوالجناح نے کس نازک وقت پر امام حسینؑ کا ساتھ دیا۔

شعائرِ الٰہیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ﴿۳۲﴾

(جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ عمل دلوں کی پرہیز گاری کا ایک جزو ہے۔)

جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ کا ایک جزو ہے۔ دو دن اس سلسلہ بیان کے گزر گئے اور شعائر کے معنی میں نے بیان نہیں کیے۔ میں نے پہلے دن ہی کہا تھا کہ چاہے شعائر کے معنی ہمیں معلوم نہ ہوں، تب بھی الفاظ سے کہ اللہ کے شعائر کی تعظیم کرو، یہ پتہ چل گیا کہ ہر تعظیم عبادت نہیں ہے۔ عبادت اور چیز ہے اور تعظیم دوسری چیز ہے۔ دو دن یہی بیان رہا۔ اب آیئے شعائر کے معنی دیکھیں۔ اب شعائر کی تشریح میں یہ کہنا لازمی ہے کہ شعائر جمع ہے شعیرہ کی۔ لیجئے اب اُردو ان طبقے کیلئے اور مشکل ہوگی۔ مجلسوں میں شعائر کا لفظ تو سنا ہوگا کہ کچھ نہ کچھ ذہن میں اس کا مفہوم آ جاتا تھا مگر یہ واحد جو اس کا معلوم ہوا شعیرہ۔ تو یہ ذہن کیلئے بالکل اجنبی چیز ہے۔ مگر میں عرض کروں کہ ابھی پتہ چلے گا کہ یہ ذہن سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ شعیرہ کے معنی لغت میں علامت کے ہیں جیسے نقش قدم کسی جانے

والے کی علامت ہے۔ جیسے دھواں آگ کی علامت ہے۔ تو ویسے ہی شعیرہ کے معنی علامت کے ہیں۔ اب علامت کیوں کہتے ہیں؟ علامت کو علامت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ذریعہ علم ہوتی ہے۔ اب علم کے معنی سب کو معلوم ہیں جاننا۔

تو چونکہ علامت ذریعہ علم ہوتی ہے، اس لئے اُسے علامت کہتے ہیں۔ تو جس طرح علامت کو علامت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ذریعہ علم ہے۔ اسی طرح علامت کے معنی ہیں شعیرہ۔ لغت میں آیا ہے کیونکہ یہ ذریعہ شعور ہے کیونکہ شعور کے معنی علم کے ہیں۔ علامت کی جمع ہیں علائم۔ شعیرہ کی جمع ہے شعائر۔ اب علامت کون ہوتی ہے؟ جو جانا پہنچانا لفظ ہے، اُسے دیکھیں۔ شعیرہ ہوتی ہے علامت۔ شعائر یعنی علائم۔ اب علامت کون ہوتی ہے؟ علامت وہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے ذہن کسی اور کی طرف جائے۔

اب نئے دور کی مثال دے دوں۔ تھرما میٹر میں پارے کو دیکھا کس نقطے پر ہے؟ کہا کہ اسے اتنا بخار ہے۔ تو اس کا بخار اس تھرما میٹر میں نہیں آیا ہے۔ یہ اس کی علامت ہے، پارے کا وہاں پہنچنا، یہ علامت ہے اس بخار کی۔ پرانے زمانے میں حکماء نبض دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اتنا بخار ہے۔ تو نبض میں بھی اس کا بخار نہیں آتا تھا۔ جیسے پارے کے چڑھنے میں ذہن منتقل ہوا بخار کی طرف، اسی طرح نبض کی تیزی نے بخار کا پتہ دیا۔ وہ اسے سمجھتے تھے نبض سے۔ یہ اس کو دیکھتے ہیں تھرما میٹر میں پارے کی رفتار سے۔ اب رفتار کی یہاں ایک اور بات یاد آئی ہے۔ دنیا والے کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز کو بغیر دیکھے نہیں مانتے۔ میں کہتا ہوں کہ کس چیز کو آپ دیکھ کر مانتے ہیں؟ بخار کو آپ دیکھتے ہیں جو مانتے ہیں؟ دیکھتے تو پارے کو ہیں اور رائے قائم کرتے ہیں بخار کی۔ اسی طرح دنیا میں آجکل جتنے ذرائع ہیں کسی

چیز کو سمجھنے کے۔ تو علامت کو دیکھتے ہیں۔ اب میں تو اس چیز کی حقیقت سے واقف نہیں ہوں۔ مگر اخباروں سے کچھ نہ کچھ ذہن میں آیا کہ وہ ہوائی جہاز جو بھیجے گئے ہیں، جن پر بہت سی دنیا احتجاج کر رہی ہے تو دشمن کا ہوائی جہاز دکھائی تو نہیں دیتا۔ اس کے اڑنے کی کچھ علامت ہے جو اس میں نمودار ہوتی ہے۔ اس علامت کو دیکھ کر جو چیز نہیں دیکھی، اس کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں کہ دشمن کا جہاز اڑا۔ تو دیکھتے نہیں ہیں، بے دیکھے علامات کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ خدا کو بے دیکھے مانئے۔ آفتاب کو دیکھئے، اُسے مانئے۔ چاند کو دیکھئے، اُسے مانئے۔ کائنات کو دیکھئے اُسے مانئے۔ میں بھی کہتا ہوں کہ اثر کو دیکھئے، مؤثر کو مانئے اور اس کے بعد اب ایک اور منزل ہے۔ میں یہیں سے اس کو عرض کروں گا کہ قرآن مجید میں ہے:

"مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ"۔

رسولؐ سے کہا گیا، قرآن کی آیت ہے کہ "اللہ ان پر عذاب عام نہیں کرے گا"۔

یعنی جیسے دنیا کی قومیں تہس نہس ہوئیں، برباد ہوئیں، اس طرح یہ قوم برباد نہیں ہوگی، درآں حالیکہ آپ اس میں ہیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ آپ کے وجود کا اثر ہے کہ یہ قوم قائم ہے۔ اب اگر دکھائی دیتا ہو کہ آج بھی قائم ہے تو سمجھ لیجئے کہ رسولؐ کا کوئی جز وقرار ہے۔

تو حضور والا! علامت، جس کو دیکھ کر کسی طرف ذہن جائے تو وہ اس شے کی علامت۔ تو اب اللہ کے شعائر کون ہوں گے جن کو دیکھ کر ذہن اس کی طرف جائے۔ وہ اس کی علامت ہوں گے تو جن جن چیزوں کی نسبت اس کی طرف قائم ہے، اس نسبت کی وجہ سے۔ ان کو دیکھنے سے ذہن اس کی طرف جاتا ہے۔ مثلاً

اپنے گھر کو دیکھیں گے تو خدا یاد نہیں آئے گا۔ لیکن اگر خانۂ کعبہ جائیں گے۔ کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: خانۂ خدا۔ اللہ کا گھر۔ قرآن نے کہا: بیت اللہ۔ تو اللہ کا گھر۔ جب کہا خانۂ خدا، بیت اللہ، تو ذہن کس کی طرف گیا؟ خدا کی طرف۔

لہٰذا کعبہ ہوا شعائر اللہ میں۔ یہ ان علامتوں میں سے ہوا جو ذہن کو اللہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ اب اسی بیت اللہ کا ترجمہ ہے خانۂ خدا اور اس میں تو اس دنیا کا آدمی نہیں ہوں۔ مگر اخباروں میں بہت شور تھا کہ ایک فلم آئی ہے خانۂ کعبہ۔ ہندوستان میں آئی تھی۔ یہاں بھی آئی ہوگی۔ وہ خانۂ خدا فلم تھی۔ اس میں جناب حج کے مناظر دکھائے گئے تھے۔ بیت اللہ کا ترجمہ خانۂ خدا کیا اور فلم کا نام رکھ دیا۔ تو اب کسی فلم کے دیکھنے پر کبھی علماء کا جلسہ نہیں ہوا۔ مگر وہ فلم جو آئی تو بڑی بڑی کانفرنسیں علماء کی ہمارے ہوئیں۔ اب مجھے ذرا تعجب ہوا کہ صاحب! کبھی کسی فلم پر تو احتجاج نہیں ہوا۔ شرعاً علماء کسی فلم سے راضی نہیں تھے۔ تو اس سے پہلے کبھی کسی فلم پر اعتراض نہیں ہوا۔ یہ آخر اس کے خلاف کیوں احتجاج ہو رہا ہے۔ تو میں نے دریافت کیا لوگوں سے کہ اس فلم میں کیا بات ہے؟ تو معلوم ہوا کہ اس میں آلِ رسولؐ کا ذکر ذرا زیادہ ہے اور ہماری نماز، ہماری جماعت اور ہمارے بہت سے طریقے اس میں نظر آتے ہیں۔

تو اب پتہ چلا کہ یہ احتجاج ہو رہا ہے کہ جنہیں ہم دنیا کے ذہنوں سے بھلا دینا چاہتے تھے، یہ فلم انہیں یاد دلاتی ہے۔ یہ احتجاج اس پر ہو رہا ہے۔ اب میں نے لوگوں سے اس فلم کی اور خصوصیات دریافت کیں تو لوگوں نے کہا کہ نہیں، اس میں تو گانا بجانا بھی بہت کم ہے۔ مہملات جو فلموں میں ہوا کرتے ہیں وہ تو اس میں تقریباً بالکل نہیں ہیں اور بس یہی ہیں۔ تو میں سمجھ گیا کہ بس اسی سے ناراضگی ہے۔

اب جناب! چونکہ بات بہت چل گئی ہے۔ ہمارے پاس بھی سوالات آنے لگے استفتاء کے کہ صاحب! فلم خانۂ خدا کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اب ان سوال کرنے والوں پر بھی ہنسی آئی کہ کسی اور فلم کے دیکھنے کو کبھی نہیں پوچھا۔ ہمیشہ شوقیہ جاتے اور دیکھتے۔ مگر اس فلم کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ جائز ہے یا نہیں۔ تو میں آزادی سے یہ لکھ کر دیتا کہ فلم جائز ہے، جایئے دیکھئے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے فلم دیکھنے کی اجازت دے دی۔ تو اس سے فائدہ پھر اور بھی اٹھاتے کہ صاحب فلم دیکھنا جائز ہے۔ ان کا فتویٰ موجود ہے۔

غلط فائدے بھی تو اٹھائے جاتے ہیں۔ غلط استعمال ہوتا ہے فتوے کا۔ تو میں نے یہ لکھا جواب میں کہ جو شخص فلم دیکھنے کا عادی نہیں ہے، اس کیلئے بہتر ہے کہ اسے بھی نہ دیکھئے اور جو فلم دیکھنے کا عادی ہے، اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ اس کو بھی دیکھے۔

تو اب خانۂ خدا جب کہا تو خدا کا تصور لازماً ہوا یا نہیں ہوا؟ اور بیت اللہ تو وہی ہے بنص قرآن۔ مگر ہم اپنے ہاں کی مسجد کو بھی خانۂ خدا کہتے ہیں۔ خانۂ خدا کا جو محاورہ ہے، وہ مکہ والے کعبہ کیلئے نہیں ہے بلکہ اپنے ہاں کی مسجد کو بھی خانۂ خدا کہتے ہیں۔

اب میں ایک طبقہ سے پوچھوں گا کہ وہ ہے بیت اللہ اور یہ بھی ہے خانۂ خدا تو اس میں کونسی بات درست ہے؟ وہ بیت اللہ ہے، یہ خانۂ خدا ہے اور اسی بیت اللہ کا ترجمہ خانۂ خدا ہے۔ اسی خانۂ خدا کی عربی بنایئے تو بیت اللہ ہے۔ تو اب میں لفظ بدل کر کہتا ہوں کہ یہ مسجد بیت اللہ ہے یا نہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ عربی کے لحاظ سے تو بیت اللہ ہے۔ اگر ذرا سی بھی عربی جانتے ہوئے تو کہیں گے کہ ہاں خانۂ خدا ہے۔ اس کے معنی ہوئے کہ بیت اللہ۔ تو میں کہوں گا کہ پھر اتنی دور جانے

کی کیا ضرورت ہے؟ اسی کا حج کر لیجئے۔ تو وہ کہیں گے کہ نہیں صاحب! حج تو وہیں ہوگا، یہاں نہیں ہوگا۔ میں کہوں گا، پھر نہیں ہے بیت اللہ۔ کھل کر کہہ دیجئے کہ جیسے ہمارا گھر، ویسے وہ بھی ہم نے بنوایا۔ یہ بھی ہم نے بنوایا تو یہ بیت اللہ نہیں ہے۔ آپ نے کہہ دیا کہ نہیں ہے۔ تو جب نہیں ہے تو نجاست اس کے اندر لے جایئے۔ ارے وہ کسی ایک میں اختلاف ہے کہ نجس ہے کہ نہیں۔ اُسے لے گئے ہوں کبھی معلوم ہے لیکن یہ کہ جسے سب نجس سمجھتے ہیں، اُسے تو کوئی نہیں لے جائے گا ورنہ یہ ہمارے ہاں ہندوستان میں ابھی ابھی فساد ہوا تھا، وہ کس چیز پر ہوا تھا۔ ارے ایک جانور ہے جسے سب نجس سمجھتے ہیں، وہ آ گیا تھا مسجد میں۔

تو ایک جانور کے چلے جانے سے کتنے آدمیوں کی جان چلی گئی۔ معلوم ہوا کہ جو نجاست ہے، وہ مسجد میں نہیں آ سکتی۔ تو یہ کیوں؟ اگر یہ نہیں ہے بیت اللہ، عام گھر ہے تو پھر یہ کیوں؟ آپ کے گھر میں آ جاتا تو خونریزی نہ ہوتی اور مسجد کے اندر آ گیا تو خون بہہ گئے۔ یہ آخر کیا ہے؟ تو اب اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو میری بات کا صرف ایک جواب ہو سکتا ہے کہ اصل بیت اللہ تو ہی ہے خانۂ کعبہ، مگر یہ بھی گویا اس کی نقلیں ہیں، اس کی شبیہات ہیں جو ہر جگہ ہیں۔ وہ اصل ہے، لہٰذا یہ نقل۔ اس لئے پورے احکام تو اس کے اس پر جاری نہیں ہیں۔ حج تو اس کا نہیں ہو سکتا لیکن طہارت کی ضرورت یہاں بھی ہے۔ نجاست کا لانا بھی ناجائز ہے۔

بس میں کہوں گا کہ اسے یاد رکھئے کہ اصل ہوتی ہے، کچھ نقلیں ہوتی ہیں۔ اصل احکام جو ہیں، وہ اصل ہی پر جاری ہوتے ہیں مگر وہ نقل بھی قابل احترام ہوتی ہے۔ ہمیں بھی معلوم ہے کہ کربلا سرزمین عراق پر ہی ہے، اس لئے زیارت کا ثواب ہمیں وہاں جا کر ملے گا لیکن کوئی بھی عمارت بنامِ کربلا بن گئی ہے تو احترام اس کا بھی

ہے اور جو شبیہات ہم بناتے ہیں، اس میں اب یہ نہ کہئے گا کہ ارے خود ہی تو بنائی ہیں۔ کاغذ ہیں اور کھپچیاں ہیں اور یہ ہے اور وہ ہے۔ اس کا نام رکھ لیا تعزیہ اور اس کا نام ضریح رکھ لیا۔ تو خود ہی تو ابھی بنایا ہے اور خود ہی اُسے مرکز تعظیم سمجھنے لگے کہ اس کا احترام کرنا چاہئے۔ خلافِ احترام کوئی بات نہیں ہونی چاہیے، اب ہمارے چڑانے کو اس کو پوجنا کہنے لگے۔ ورنہ کون جاہل ہے جو کہے کہ میں تعزیے کو پوجتا ہوں۔ جو کہے گا، وہ کہے گا کہ احترام کرتا ہوں، تعظیم وتکریم کرتا ہوں۔ عبادت کوئی نہیں کہے گا کہ میں عبادت کرتا ہوں۔ عبادت کرے تو کافر۔ وہ چاہے اپنے بنائے ہوئے نہیں، خدا کے بنائے ہوئے کسی آدمی کی عبادت کرے تو کافر۔ عبادت تو خالق سے خاص ہے۔ مخلوق جو بھی ہو، چاہے اُسی کی مخلوق ہو، عبادت اس کی بھی نہیں ہے۔ تو اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے کی عبادت کیا ہوگی؟

عبادت کسی کیلئے نہیں ہے۔ مگر یہ کہنے سے احترام ختم نہیں ہوگا کہ ہم ہی نے تو بنایا ہے۔ قرآن بھی تو ہم لکھتے ہیں۔ مسجد بھی تو ہم بناتے ہیں۔ ہمارے بنانے سے اس کا احترام ختم نہیں ہوگا۔ یہ دیکھئے کہ ہم نے کس نیت سے بنایا ہے۔ ایک لفظ بھی اگر ہم نے اپنی تقریر کی روانی میں کہا جو قرآن میں بھی ہے اتفاق سے، تو وہ لکھا جائے تو وہ قرآن نہیں ہوگا۔ اس کا چھونا بلا وضو جائز ہوگا لیکن وہی لفظ اگر قرآن کے قصد سے لکھ دیا گیا تو پھر بغیر وضو چھونا حرام۔

تو معلوم ہوا کہ حقیقت ایک ہے مگر قصد کے بدلنے سے احکام بدلتے ہیں تو اسی طرح سے یہ بھی بات ہے کہ گھر بھی میں بناتا ہوں مگر اس نیت سے کہ میرا گھر ہے۔ مسجد بھی میں بناتا ہوں مگر اس نیت سے یہ خانۂ خدا ہے۔ اب اس کا احترام ہے۔ فقہ اسلام کی رو سے اس کا احترام واجب ہے۔ اس لئے نہیں واجب کہ

میں نے بنایا ہے، اس لئے واجب ہے کہ خانۂ خدا ہے، چونکہ میں نے خانۂ خدا کے قصد سے بنایا ہے۔ تو اسی طرح سے یہ کہنا بے معنی ہے کہ تعزیہ تم ہی تو بناتے ہو، ضریح تم ہی تو بناتے ہو، تابوت تم ہی تو بناتے ہو، خود ہی بناتے ہو اور خود ہی تعظیم کرتے ہو۔ تو ہاں! چونکہ بنایا ہے، روضۂ مقدس کی شبیہ کے قصد سے، عَلَم اسلام کے قصد سے بنایا ہے، اس لئے اس کا احترام۔ تو ہمارے بنانے سے یہ نہیں ہوگا کہ اس کا احترام ختم ہو جائے۔ تو اب کعبہ بیت اللہ، اس کی تعظیم، اس کا احترام بلکہ اس کی طرف رُخ کر کے نماز بنص قرآن اور بہ اجماعِ اہل اسلام جزوِ شریعت۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ یہ ایک دن کسی مجلس میں کہہ چکا ہوں کہ کیا اللہ اس گھر میں رہتا ہے؟ سکونت تو کوئی نہیں رکھتا۔ کوئی قائل نہیں کہ اللہ اس میں سکونت رکھتا ہے۔ تو پھر کیا نسبت ہے؟ جیسے مہینے سب اس کے ہیں مگر ایک مہینے کو کہہ دیا ''شہراللہ''، اللہ کا مہینہ۔ وہ ہے ماہِ رمضان۔

اسی طرح گھر بھی اس کا ہے۔ جب ہم اس کے ہیں تو کیا ہمارا گھر اس کا نہیں ہے؟ اور پھر ہم گھر کہاں بنائیں گے؟ گھر کے اجزاء سب اس کے ہیں۔ زمین اس کی ہے، چاہے ملک ظاہر میں اس کے قانون کے مطابق کسی کا کہلائے مگر اصل میں تو سب اسی کا ہے۔ پوری زمین اللہ کی ہے۔ تو جناب! ہر چیز اسی کی ہے۔ میرا گھر بھی اس کا ہے مگر یہ کہ جسے اس نے نسبت دے دی کہ یہ میرا گھر ہے۔

طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے کہا کہ میرے گھر کو پاک۔ بس وہ موضوع عرض نہیں کرنا ہے۔ کبھی انشاءاللہ وعدہ ہے۔ اس سفر میں نہیں کرنا ہے۔ مگر ایک جز واس کا۔ تو میں نے آیت پڑھ دی تو ترجمہ اس کا کرنا ہے۔ تو اب علمائے اسلام سے

پوچھوں گا کہ "طَهِّرَ بَيْتِيَ"۔

ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے کہا جارہا ہے کہ میرے گھر کو "طَهِّرَ بَيْتِيَ"، مصدر اس کا تطہیر۔ اب ان سب سے پوچھوں گا کہ "طَهِّرَ بَيْتِيَ" کے معنی کیا ہیں؟ یہ کہیں گے میرے گھر کو پاک کرو۔ تو کیا نجاست تھی اس میں؟ ارے جس گھر کا معمار خلیل ہو اور بحیثیت مزدور ذبیح نے کام کیا ہو، بت بھی کبھی اور لاکر رکھے گئے، ابھی تو بتوں کا پتہ نہیں تو وہاں نجاست کہاں سے آئی؟ تو ماننا پڑے گا کہ "طَهِّرَ بَيْتِيَ"، اس کا ترجمہ کرنا پڑے گا کہ میرے گھر کو پاک رکھو۔ پاک کرو نہیں، پاک رکھو۔ میں کہوں گا کہ بس جو معنی بیت میں آیۂ تطہیر کے لیجئے، وہی معنی اہل بیتؑ میں آیہ تطہیر کے لیجئے۔

"طَهِّرَ بَيْتِيَ"، تم نے معنی کیے کہ میرے گھر کو پاک رکھو تو پھر "يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا"۔ وہاں بھی معنی یہ رکھئے کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو اے اہل بیتؑ پاک رکھے۔ یہ کیوں کہتے ہو کہ پاک کرے۔ یہ کہو کہ اللہ کا ارادہ ہے کہ تم کو اے اہل بیتؑ پاک رکھے۔ وہ آیۂ تطہیر ہے بیت کیلئے، یہ آیۂ تطہیر ہے اہل بیتؑ کیلئے۔

بس ایک فرق مجھے محسوس ہوتا ہے کہ بیت کی تطہیر انبیاء کے ذمہ کر دی اور اہل بیتؑ کی تطہیر اپنے ذمہ رکھی۔ بس اسی وجہ سے نتیجہ مختلف ہو گیا۔ اس کی تطہیر انبیاء کے ذمہ کر دی تھی اور انبیاء اس کی تطہیر کے ذمہ دار ہوئے اور دنیا اس میں نجاست لانے پر قادر ہوئی۔ لیکن جن کی تطہیر اپنے ذمہ رکھی تھی، سلطنتوں کی طاقت ختم ہو گئی مگر ان کے دامن پر کسی قسم کا داغ نہ لگایا جا سکا۔

تو یہ میرا گھر، جس کی بناء پر آپ کہتے ہیں بیت اللہ۔ یہ فقط نسبت ہی تو ہے۔ وہ جا کر وہاں رہتا نہیں ہے۔ بود و باش نہیں رکھتا اور دنیا کے ہر حصے سے دنیا کھنچ کھنچ کر آتی ہے اور یہ خدا کا وعدہ ہے کہ جو پورا ہو رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا

کی آنکھوں کے سامنے جس طرح قرآن زندہ معجزہ ہے، ویسے ہی خانۂ کعبہ کی مرجعیت بھی، مرکزیت بھی، یہ زندہ معجزہ ہے۔ ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے کہہ دیا گیا تھا، جنابِ ابراہیمؑ سے مخاطب ہو کر:

"وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ"۔

"لوگوں میں حج کا اعلان کرو"۔

"اَذِّنْ" کے معنی ہیں اعلان کرنا۔ اسی سے اذان ہے۔ اذان بھی ایک اعلان ہے۔ "اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ" لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ اور لوگوں میں کہاں، مکہ کی سرزمین پر جو بے آب و گیاہ میدان۔ تو وہاں لوگ کہاں رہے؟ اعلان کرو لوگوں کیلئے۔ مجازی جملہ ہوگا، کنایہ مگر مجھے تو اس وقت حقیقت نظر آرہا ہے۔ صدا بصحرا پر محمول کر رہا ہے مگر خود وعدہ کرتا ہے کہ تم صدا بلند کرو، پہنچانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ اس صدا کو پہنچاؤں گا اور اپنی توحید کیلئے ذمہ داری نہیں لی ہے کہ ہر ایک مان بھی لے گا یا کسی دور میں ہر ایک مان لے گا یا اکثریت مان لے گی۔ مگر یہ جو حکم دیا تھا، اس کی ذمہ داری لے لی۔

میں سوچ رہا ہوں وہ صدا بصحرا۔ حضرت ابراہیمؑ کو تصور نہ ہوتا کہ کیا فائدہ یہاں اذانِ حج دینے سے، اعلانِ حج کرنے سے؟ تو ضمانت دے رہا ہے۔ "يَاْتُوكَ"، میں کہتا ہوں کہ آئیں گے اس آواز پر اور حال کیلئے وعدہ نہیں ہے۔ مستقبل کیلئے "يَاْتُوكَ"، آئیں گے تمہاری آواز پر۔ "رِجَالًا"، پا پیادہ بھی آئیں گے۔ "وکل علی ضامر" اور ہر دبلے پتلے جانور پر آئیں گے۔ ماشاءاللہ تعلیم یافتہ افراد ہیں، صاحبانِ فہم ہیں، صاحبانِ علم ہیں، تو وہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ دبلے پتلے سے کوئی محبت ہے۔ عرب میں دبلا پتلا ہونا گھوڑے کی تیز رفتاری کی

علامت تھا۔ جب گھڑ دوڑ ہوتی تھی تو بھوکا رکھا جاتا تھا گھوڑوں کو اور جہاں مشق کروائی جاتی تھی، اس میدان کا نام تھا ''مضمار''، یعنی دبلا کرنے کی جگہ۔ تو یہ دبلا ہونا تیز رفتاری کا کنایہ ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ اجمالِ قرآنی کہ ہر تیز رفتار سواری پر۔ اب جتنا ارتقائے زمانی کے ساتھ تیز رفتاری کی منازل بڑھتی جائیں گی، وہ سب قرآن کی آواز کی تصدیق ہے۔ ہر تیز رفتار سواری پر۔ اب موٹر پر سوار ہوئے تو وہ وعدۂ قرآنی کی تکمیل کا ایک درجہ۔ ریل پر سوار ہوئے تو وہ اس کے وعدہ کا ایک درجہ۔ اب دنیا سوچتی رہے، یہ سواریاں نئی ہیں تو بدعت۔ میں کہوں گا کہ اعلانِ قرآنی کی تصدیق ہے تو عبادت۔ شکل نہ دیکھئے کہ نئی ہے۔ یہ دیکھئے کہ کام وہ ہے یا نہیں؟ تو کہا تھا کہ ہر تیز رفتار مرکب پر آئیں گے۔ اب یہ تیز رفتاری میں جتنی زیادتی ہو، اتنا ہی سمجھئے کہ اعلانِ قرآنی کی تصدیق ہے۔

ہمارے ہاں تو مجاز تھا، اس وقت تو یہ حقیقت ہے کہ دنیا اُڑ اُڑ کر جا رہی ہے۔ پرواز کر کے جا رہی ہے تو یہ کہہ دیا گیا تھا کہ یہ سب آئیں گے۔ بحمداللہ حجاج کی تعداد جو اخبار میں آتی ہے۔ وہ لاکھوں پر مشتمل ہوتی ہے تو یہ سب جو جاتے ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ کیوں جا رہے ہیں کس لئے جا رہے ہیں؟ وہاں جا کر کسی کی زیارت ہوگی، وہاں جا کر کسی کی قدم بوسی ہوگی، وہاں جا کر کسی کے دست حق پر بوسہ دیں گے۔ ایک مکانِ بے مکیں۔ ایسا گھر جس میں رہنے والا کوئی نہیں۔ یہ تمام دنیا جاتی ہے اس مکان کیلئے۔ تو کیا ہوتا ہے؟ صرف ایک شب کا اعزاز، صرف ایک شب کا احترام۔ ہمارا ہمدرد بن کر بھی ہمیں بہت سمجھایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں دیکھو! یہ جو سب کچھ تم کرتے ہو تو بہت دولت تمہاری جیبوں سے خرچ ہو جاتی ہے، بیکار، یہ

اتنی دولت تم تعمیری کاموں میں لگاؤ۔ ادارے قائم کرو اور جو کام کی باتیں ہیں، وہ کرو۔ یہ بیکار اتنی دولت تمہاری جیب سے چلی جاتی ہے۔

میں اس دنیا سے کہتا ہوں کہ یہ جتنی دولت ہمارے ہاں ہر جگہ صرف ہوتی ہے، کیا وہ اس کے برابر جتنی تمام مسلمانوں کی جیبوں سے دولت صرف ہو جاتی ہے، ہر سال حج کو جاتے ہیں اور وہاں جا کر کیا ملتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ نسبتوں کے اعزاز میں معاشی پہلوؤں پر نظر نہیں کرنا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ کچھ نہیں ملتا۔ مگر یہی کیا کم ہے کہ ہم وفادار بندے ثابت ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ جس جس چیز پر ہم پیسہ صرف کرتے ہیں، آپ کا دل دکھتا ہے، آپ ہمارے بڑے خیر خواہ ہیں۔ ہمیں خیر خواہی کا پتہ تاریخ سے معلوم ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ ہم چاہے کتنے ہی سادہ لوح ہوں، کند ذہن ہوں، ہم افادیت اپنے ان شعائر کی نہ سمجھیں مگر آپ کی مخالفت سے ہم سمجھ رہے ہیں کہ یہ ہماری زندگی کیلئے کوئی ضروری چیز ہے۔

تو جناب! یہ تمام دولت جو صرف ہوتی ہے، ایک ایسے گھر کو دیکھنے پر جہاں رہتا کوئی نہیں۔ اس کے بعد خیر یہیں تک غنیمت۔ لیکن یہ دسویں ذی الحجہ کو عوام منیٰ میں قربانی بھی کرتے ہیں۔ ارے صاحب! حج تو کر لیا، اتنا روپیہ آپ نے صرف کر دیا۔ اب یہ ایک بیچارے کی جان بھی لیں اور اپنا پیسہ بھی صرف کریں۔ آجکل تو حقوقِ حیوانات کیلئے ادارے قائم ہیں، وہ بھی فریاد کریں اور آپ بھی مل کر فریاد کریں کہ یہ ایک جانور کی جان بھی جاتی ہے اور ہماری جیب سے روپیہ بھی جاتا ہے۔ تو یہ کتنا پیسہ اس کے خون کے ساتھ زمین پر بہہ جاتا ہے۔

مگر کیا کیا جائے کہ کسی فقہ اسلام کی رو سے اگر حج کرنا ہے تو پھر یہ قربانی بھی کرنا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ذرا غور کیجئے کہ یہ قربانی ہے کیا؟ وہاں تو میں نے

کہا تھا کہ ایک نسبت کا احترام ہے، وہ خدا کی طرف کی نص ہے مگر یہ قربانی آخر کیا ہے؟ اور پھر وہ بھی منیٰ میں ہو اور پھر دس ذی الحجہ کو ہو۔

پتہ چلتا ہے کہ یہ اس کے خلیل کی جو قربانی تھی، اُس کی یاد ہے۔ اب یہ اللہ کی یاد نہیں۔ خاص براہِ راست اس کے خلیل کی یاد ہے۔ چونکہ دس ذی الحجہ کو انہوں نے اپنے فرزند کو حکم الٰہی سے ذبح کرنا چاہا تھا تو اب قیامت تک کے مسلمانوں کو حکم ہو گیا اور وہاں تو حج میں واجب ہے۔ لیکن جو حج کو نہیں گئے، تو اپنے گھروں پر۔ وہ بھی سنت۔ اور پھر اس کے مسلمان ایسے پابند کہ بہت سے واجبات چھوڑ دینگے مگر اس قربانی کو ضرور کریں گے۔

تو صاحب! اب دیکھئے کہ کتنی دولت جیب سے جا رہی ہے اس قربانی کے حکم کی بدولت۔ وہ حج کا جزو، جو قربانی ہے، وہ بھی اور یہ جو بقرہ عید پر اپنے اپنے گھر میں قربانی کرتے ہیں، وہ بھی۔ اس میں کتنی دولت چلی جاتی ہے اور یہ قربانی ہے کیا؟ چونکہ خلیل اللہ نے قربانی کی تھی، تو اب نہ خلیل اللہ ہیں، نہ وہ قربانی اس وقت ہے۔ یہ یادگار ہی تو ہے۔ یہ خلیل اللہ کی یادگار میں اتنی قربانیاں اسی تاریخ میں ہو جاتی ہیں۔ اور اب میں آپ سے پوچھوں گا کہ ذرا غور کیجئے۔ ہر نقطہ نظر کے مسلمان کی متفقہ روایت کہ کیا واقعہ وہ قربانی عمل میں آ گئی تھی؟ ہر مسلمان جانتا ہے کہ وہ قربانی عمل میں نہیں آئی۔ بعد میں فدیہ آ گیا تو بس ٹھنڈے دل سے غور کیجئے، ہر مسلمان جو رسولؐ کو مانتا ہے، وہ غور کرے کہ سابق دَور کے رسول کی ملتوی شدہ قربانی تو یاد رکھنے کے قابل ہو اور اپنے رسولؐ کے گھر کی وقوع میں آئی ہوئی قربانی، وہ فراموش کرنے کے قابل ہو۔

ارے میں کہتا ہوں کہ ایک ہی مہینے کا فرق ہے۔ وہ قربانی دس ذی الحجہ کو، یہ

قربانی دس محرم کو۔ اس قربانی کی یادگار پر اتنا زور دیتا ہے اور اس قربانی کے خلاف فتوے دیتا ہے۔ آخر اس کی یادگار نے کیا قصور کیا؟ اب یہ دیکھئے کہ حسینؑ کی قربانی اور ابراہیمؑ کی قربانی۔ ادھر سے ابراہیمؑ کی قربانی پہلے اور حسینؑ کی قربانی بعد میں۔ یوں کہہ دیجئے، ان میں اتنا بڑا فرق ہے، وہاں ابراہیمؑ کا کردار اور ہے، اسماعیلؑ کا کردار اور ہے۔ ابراہیمؑ کا کردار ہے قربانی کرنا اور اسماعیلؑ کا کردار ہے قربان ہونا۔ اور کربلا میں حسینؑ بیک وقت واحد خلیل بھی ہیں اور ذبیح بھی۔

یہ ذبیح ہیں رسولؐ اللہ کی نسبت سے اور خلیل ہیں علی اکبرؑ و علی اصغرؑ اور سب قربانیوں کے لحاظ سے جو انہوں نے پیش کیں۔ تو یہ اہمیت ہے اس قربانی کی۔

اب یہاں سے ایک سوال کا میں جواب دوں، دنیا کہتی ہے کہ ہاں صاحب! یادگار قائم کی جائے مگر غم کیوں کیا جائے؟ ارے اونچے درجہ پر فائز ہوئے شہادت کے تو اس پر خوش ہونا چاہئے۔ یہ غم کیوں کیا جائے؟ میں کہتا ہوں اصول بدلتا نہیں ہے۔ نتیجہ دیکھئے، اسماعیلؑ کی قربانی اور حسینؑ کی قربانی میں فرق ہے۔ پہلے جو منطقی صورت ہے، وہ عرض کروں، پھر تشریح کروں گا۔ ماشاء اللہ اربابِ فہم تو اُسی سے سمجھ جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر روزِ عیدِ قربان غم کیا جاتا، مسلمانوں میں تو پھر ہم عاشور کے دن خوشی کرتے۔ مگر روزِ قربانی اسماعیلؑ عید ہے۔ نئے کپڑے پہنے جاتے ہیں، عیدیں ملی جاتی ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ عید کس چیز کی ہے؟ اب مصائب کے انداز میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عید کس چیز کی ہے؟ اس کی ہے کہ نبی زادہ بچ گیا۔ تو عاشور کے دن غم کیجئے کہ رسولؐ زادہ قتل ہو گیا۔ اور رسولؐ زادہ نہیں، ارے پیغمبرؐ کا پورا گھر لوٹ لیا گیا۔ پورا باغ قطع کر لیا گیا۔

بس ہوسکتا تھا کہ میں یہیں مصائب عرض کروں مگر ایک ضروری پہلو

اورعرض کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ روز عیدِ قربان یاد رکھنا ہے تو مسلمان جمع ہوتے ، تذکرۂ قربانی اسماعیلؑ ہوجاتا۔ جن قرآنی آیت میں یہ ذکر ہے، ان کی تلاوت ہوجاتی۔ خطبہ عیدالاضحیٰ میں وہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں جن میں ذکر قربانی ہے۔ یہ کافی تھا کہ لیکن آخر یہ اتنے جانور کیوں ذبح کیے جاتے ہیں؟ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ لفظی تذکرہ کا ذہن پر اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا اثر عملی شبیہہ کا پڑتا ہے۔تو جس شرع نے یہ حکم دیا ہے، اُسی اصول پر آپ قائم رہتے۔ پھر ہم سے نہ کہتے کہ تذکرۂ حسینؑ میں بس مجالس کافی ہیں۔ یہ سب مظاہرات کیوں ہوتے ہیں؟ یہ سب شبیہات کیوں بنائی جاتی ہیں؟ عیدِ قربان کے دن جس لئے جتنی قربانیاں کی جاتی ہیں، وہ منیٰ میں جزوِ حج کی حیثیت سے۔

بس اسی لئے شبیہات بنائی جاتی ہیں کہ لفظی بیان میں وہ طاقت نہیں ہے جتنی کہ شبیہہ میں ہوتی ہے۔ اب ماشاء اللہ اس سوال کا جواب تو ہو گیا۔ آپ حضرات مطمئن ہوگئے۔ اب آخر میں ایک پہلو کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ یہ شبیہہ کس چیز کی ہے؟ کس کی شبیہہ ہے؟ یہ رواروی میں کہہ دیجئے گا کہ جنابِ اسماعیلؑ کی ہے؟ وہ ذبح نہیں ہوئے، پھر یہ شبیہہ کس کی ہے؟ اگر غور کیجئے تو یہ جنابِ اسماعیلؑ کی شبیہہ نہیں ہے، یہ اس گوسفند کی شبیہہ ہے جو جنابِ اسماعیلؑ کے بدلہ میں آیا۔ وہی تو ذبح ہوا تھا۔

تو بس ایک اصول یاد رکھئے کہ اگر جانور بھی نبی زادے کے کام آئے تو وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اب اگر ہم ذوالجناح نکالیں تو نہ کہئے گا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ ہم وفادار ہیں، ہم اُس جانور کو بھی یاد رکھتے ہیں جو آلِ رسولؐ کے کام آیا۔ اب انسان اگر نہ کام آئے ہوں اس وقت پر تو ہم انسانوں کو بھول جائیں گے مگر اس جانور کو یاد رکھیں گے جو آلِ رسولؐ کے کام آیا۔ ذوالجناح نے کس نازک

وقت پر حسینؑ کا ساتھ دیا۔

مصائب

اربابِ عزا! غور کیجئے، جہاں سوار تین دن کے بھوکے پیاسے ہوں، وہاں مرکبوں کو کیا غذا ملی ہوگی! مرکبوں کو کیا پانی ملا ہوگا! جس طرح وہ تین دن کے بھوکے پیاسے، اسی طرح مرکب بھی تین دن کے بھوکے پیاسے۔ اور جو مجاہد پہلے شہید ہوگیا، اُس کے مرکب نے اُتنی ہی دیر تک کام کیا جو زیادہ وقت تک رہا۔

اسی لئے شہدائے کربلا میں، مَیں کہتا ہوں کہ ہر ایک کی پیاس اُس وقت تک رہی جب تک وہ درجۂ شہادت پر فائز نہیں ہوا تھا۔ تو اب کربلا کے مجاہدین میں سب سے زیادہ پیاسے ہمارے مولا حسین علیہ السلام! بس یہاں میرا ذہن ایک اضافہ کرتا ہے کہ مولا کی بھی حدِ عطش عصر عاشور رہی، جس وقت ہم آپ فاقہ کشی کر لیتے ہیں مگر زینب کب تک پیاسی رہیں؟ اُمِ کلثوم کب تک پیاسی رہیں؟ علی اصغر کی حدِ عطش بتا سکتا ہوں، سکینہ کی حدِ عطش کب تک رہی، یہ نہیں بتا سکتا۔ تو اب جب حسین علیہ السلام انسانوں میں سب سے زیادہ پیاسے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ فرسِ حسین اپنی نوع میں سب سے زیادہ تشنہ لب ہے۔ پھر تشنہ لبی صرف خاموشی کے ساتھ ہو رہی تھی، جس نے پکارا، مولاؑ اُس کی لاش پر گئے۔ یہ آمد و رفت پوری اسی ذوالجناح کی پشت پر ہو رہی تھی۔ تو اس پیاس میں کتنی دفعہ مولاؑ کو لے کر گیا اور کتنی دفعہ واپس آیا۔

اربابِ عزا! میں کہتا ہوں کہ شاید ذوالجناح کو کسی خدمت میں اتنی تکلیف نہیں ہوئی ہے مگر ارے اُس کی پشت پر ایک بے شِیر کو ہاتھوں پر جب بلند کیا اور اُس کی لاش کو لے کر خیمے کی طرف آئے تو بے زبان بھی تڑپ گیا۔ ارے مجھے یہ بھی خدمت ادا کرنا تھی۔

ماشاء اللہ، اَجرُ کُمۡ عَلَی اللہ، جب تک حسینؑ مصروفِ جہاد تھے، فرس شریکِ جہاد تھا، اور ماشاء اللہ مجمع میں سپہ گری کے فن سے بھی واقف ہوں گے اور فوج کے لوگ بھی ہوں گے، ہر ایک جانتا ہے کہ میدانِ جنگ میں گھوڑا ساتھ والا ایک سپاہی ہوتا ہے، وہ واروں کو رد بھی کرتا ہے، وہ حملہ آور ہونے میں مدد بھی کرتا ہے تو کربلا کے جہاد میں حسینؑ کے ساتھ یہ گھوڑا شریک ہے۔

تو اب خلافِ فطرت کیا بات نہ ہوگی اگر کوئی سوچے کہ کیا گھوڑے کو کوئی زخم نہیں آیا؟ ارے یہ راوی نے بیان نہیں کیا کہ گھوڑا کتنا زخمی ہوگیا تھا مگر اس کے باوجود آخر دم تک مولاؑ کا ساتھ دیا۔ مگر کب تک، جب تک مولاؑ پشت پر تھے مگر جب پشتِ راکب دوشِ رسول سے خالی ہوگئی تو عرب میں فرس کی فراست مشہور ہے، اسی لئے نام فرس ہوا ہے، چہ جائیکہ وہ فرس جو کارنامہ کربلا کیلئے منتخب ہوا ہو۔ اب جب پشت پر حسین نہ رہے تو کیا خدمت ادا کرے؟ اب جو کام کیا، وہ یہ کہ اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا، اگر عباسؑ سامنے ہوتے تو ان کو جا کر اشارہ کرتا، اگر علیؑ اکبر ہوتے تو اُن کو جا کر اشارہ کرتا، مگر وہ تو سب زمین گرم پر تھے۔ اسی لئے پیشانی اپنی خونِ حسینؑ سے رنگین کی اور اب سیدھا خیمے کی طرف گیا اور اب تفصیل سے عرض نہیں کرنا ہے۔ مگر میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی بی بی خیمے کے باہر ہوتی تو ذوالجناح کو خیمے پر جانے کی ضرورت نہ ہوتی مگر وہ تو سب وہیں بیٹھی تھیں جہاں حسینؑ بٹھا کر گئے تھے۔ اسی لئے خیمے کی طرف گیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک صدا بلند کی، سنا کرتے ہیں آپ، نتیجہ نہیں نکالتے۔ میں کہتا ہوں کہ دیکھئے! آپ نے سنا ہوگا کہ اب بھی آواز سن کر درِ خیمہ پر سکینہ، اب سکینہ نے دیکھا، باگیں کٹی ہوئی، زین میں جابجا تیر پیوست، بس خیمے کے اندر گئیں، کہنے لگیں: ہائے بابا، ہائے بابا!

مجلسِ چہارم

- جب تبلیغِ عام کیلئے جنابِ رسولِ خداؐ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے تو یہ کوہِ صفا پر جانا نہ تھا، تبلیغِ رسالت کیلئے ایک منبر کی تلاش تھی۔ جہاں صفا موجود تھا، وہاں اُسے منبر بنالیا، جہاں صفا نہ تھا، وہاں پالانِ شتر کو منبر بنالیا۔
- جنابِ ہاجرہ پانی کی تلاش کیلئے صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک سات مرتبہ گئیں۔ بی بی کا یہ عمل اللہ کو اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کیلئے سعی (دوڑنے کو) جزوِ حج بنا دیا۔
- روایت بتاتی ہے کہ اگر زم زم نہ کہا جاتا تو نہ جانے کہاں تک نہریں بن کر جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص کنیز جو اس کے ہاں مقبول تھیں، اس نے زم زم کہہ دیا تو گویا اس کی اطاعت کر رہا ہے۔
- قران مجید میں ہے ''وَالۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰـهَا مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ'' وہ جانور جو قربانی کیلئے رکھے گئے تھے، وہ شعائراللہ میں سے ہیں۔ ابھی وہ قربان نہیں ہوئے ہیں مگر چونکہ قربانی کی نیت سے وہ رکھے گئے ہیں، اس غرض سے وہ ساتھ رکھے گئے ہیں، لہٰذا بحالت حیات بھی وہ شعائراللہ میں سے ہیں۔

شعائر الٰہیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴿٣٢﴾

(جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ عمل دلوں کی پرہیزگاری کا ایک جزو ہے۔)

دو دن بغیر شعائر کے لفظ کے معنی سمجھائے ہوئے اور بتائے ہوئے اصولاً عبادت اور تعظیم کے فرق کا بیان ہوا۔ کل تیسرے دن شعائر کے لغوی مفہوم پر تبصرہ ہوا۔ اب آج یہ دیکھنا ہے کہ قرآن مجید نے جو حکم دیا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کرو تو خود قرآن مجید سے بھی کچھ رہنمائی ہوتی ہے کہ آخر شعائر اللہ ہوتے کیا ہیں؟ تو یہاں یہ پہلے سے پیش نظر رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید نے کہیں کوئی جامع فہرست شعائر اللہ کی بیان نہیں کی ہے۔ اگر کوئی فہرست شعائر اللہ کی بیان کر دی جاتی تو پھر کوئی بھی کسی چیز کو شعائر اللہ میں سے کہتا یا بتاتا تو اُس سے اس مطالبے کا حق ہوتا ہر ایک کو کہ قرآن نے تو اس فہرست میں اس چیز کو بیان نہیں کیا ہے، یہ تم اسے کیونکر شعائر اللہ میں قرار دے رہے ہو؟ لیکن اگر قرآن مجید کے اندازِ بیان سے یہ ظاہر ہو کہ اسے شعائر اللہ کی کوئی فہرست پیش کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ انسانی ذہن کی رہنمائی کیلئے بطور مثال کچھ شعائر اللہ کا تذکرہ کرنا ہے جس سے تمہیں یہ مدد ملے، یہ سمجھنے میں کہ کس

قسم کی چیزیں شعائر اللہ ہوا کرتی ہیں۔ تو اس کیلئے مجھے قرآن مجید میں دو آیتیں ملتی ہیں۔ دونوں جگہ ایک ہی جیسے الفاظ ہیں جن سے ہر ایک، اس کیلئے عربی دانی کی ضرورت نہیں۔ جب اس کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو اسے ہر غیر عربی دان بھی اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح کہ میں نے عرض کیا۔ تو ایک آیت یہ ہے:

"اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"۔

"یقیناً صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں"۔

یہ "مِنْ" نہ ہوتا تو یہ معنی ہوتے کہ یہ دونوں شعائر اللہ ہیں۔ مگر جیسے اُستاد شاگرد کو سمجھانے کیلئے دو ایک مثالیں دے دیتا ہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں اور یہ جن جمادات میں سے ایک چیز منتخب کی، جیسے حجر اسود کے بیان میں ایک دن کہہ چکا ہوں کہ یہ بت پرستی سے بہت مشابہ تھا۔ وہ بھی پتھروں کو پوجتے تھے اور یہ بھی پتھر تھا۔ مگر شباہتوں سے حقیقت کا تعلق نہیں ہوتا۔ یہ پہاڑ کیا ہوتا ہے؟ پتھروں کا مجموعہ، تو انہی جمادات میں سے ایک چیز منتخب کی اور اُسے بیان فرمایا کہ صفا اور مروہ یہ دو پہاڑیاں شعائر اللہ میں سے ہیں۔

اب دونوں آیتیں ایک ساتھ پیش کئے دیتا ہوں۔ مگر تبصرہ الگ الگ ہوگا۔ یہ جمادات میں سے ایک قسم، نام دو لے دیئے۔ اس کے بعد نباتات کی صنف کو چھوڑ دیا۔ نباتات کی نوع میں سے کوئی چیز مجھے نہیں ملتی جسے کہا گیا ہو۔ اب حیوانات کو لیا تو حیوانات کیلئے کہا:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"۔

جو الفاظ وہاں، وہی الفاظ یہاں۔ "دیکھو! یہ قربانی کے جانور، یہ شعائر اللہ میں سے ہیں"۔

تو یہاں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ قربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں بلکہ وہی الفاظ استعمال کئے گئے کہ قربانی کے جانور شعائر اللہ میں سے ہیں۔ اب ہمارے لئے دعوتِ فکر ہوگئی کہ ہم غور کریں کہ آخر صفا و مروہ میں کیا بات ہے کہ یہ دونوں شعائر اللہ میں سے ہوگئے اور یہ جانور، ان میں کیا بات ہوگئی کہ یہ شعائر اللہ میں سے ہوگئے اور ان کی تعظیم کو کہا گیا کہ تقویٰ کا جزو ہے جیسے کہا گیا کہ:

"اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ"۔

"تم میں سب سے زیادہ عزت اُس کی ہے پیش خدا جو سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہو"۔

تو میں کہتا ہوں کہ دونوں کو ملایئے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ پیش خدا اس کی عزت زیادہ ہے جو شعائر اللہ کی زیادہ تعظیم کرتا ہے۔

اب جناب! یہ صفا اور مروہ میں کیا خصوصیت ہے۔ ابتداء سے سنتے رہے کہ کوہِ صفا اور کوہِ مروہ، کوہ کے معنی پہاڑ۔ عربی میں جبل، فارسی میں کوہ، اُردو میں پہاڑ۔ پہاڑوں سے ہمارے ذہن میں تصورِ عظمتِ جسمانی کا آیا۔ پہاڑ تو پہاڑ ہی ہے۔ تو ہم سمجھے کہ کوئی اتنے اونچے پہاڑ ہوں گے کہ ان کی جسامت کے لحاظ سے اللہ نے ان کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا۔ لیکن مجمع میں ماشاء اللہ بہت افراد ہوں گے جو فریضہ حج سے سبکدوش ہوئے ہوں یا جو عمرے کو گئے ہوں اور پھر سب نے برابر سنا ہے کہ یہ پہاڑیاں ہیں۔ تو پہاڑ ہیں۔ ورنہ ہم نے جیسے جیسے پہاڑ دیکھے ہیں، اس کے لحاظ سے وہ کیا ہیں؟ ہمارے ہاں تو بعض ٹیلے اس سے زیادہ اونچے ہیں، جتنے زیادہ اونچے وہ پہاڑ ہیں۔ لہٰذا اگر عظمتِ جسمانی کا معیار ہوتا شعائر اللہ میں سے ہونے کا تو میں تو ہندوستانی ہوں، ہمارا ہمالیہ زیادہ حقدار تھا جس کی بلندی

حد معلوم کرنے کیلئے یا اس کی بلند چوٹی پر پہنچنے کیلئے آجکل دنیائے متمدن مشغول ہے اور اس کو معیار ارتقائے انسانی سمجھتی ہے۔

تو جناب! اب وہ پہاڑیاں کیا ہیں؟ جب گیا ہوں حج کیلئے تو اسی سال ڈائنامائٹ سے وہ پہاڑیاں اڑائی گئی تھیں کیونکہ میں پہلے بھی ہوائی جہاز سے گیا تو اتفاق سے سب سے پہلا جہاز جو جارہا تھا، اسی سے میں گیا تو ڈیڑھ مہینہ پہلے پہنچ گیا۔ تو جب میں گیا ہوں تو اڑائی جارہی تھیں۔ ایک طرف سے ایک حصہ باقی تھا۔ تو شاید میں یا میرے ساتھ کے چند آدمی آخری فرد ہوں گے جو پہاڑی کی شکل میں اس پر چڑھے ہوں گے اور ان کے بعد پھر میرے ہی سامنے پھر سیڑھیاں بن گئیں۔ اب سنا ہے کہ ڈھلان ہوگئی ہے۔ وہ سیڑھیاں بھی ختم ہوگئی ہیں۔ ایسی باتوں کو کوئی نہیں سوچتا کہ یہ بدعت ہے۔ وہ تو پہاڑ پر چڑھنے کا حکم تھا، اب وہ پہاڑ رہا ہی نہیں۔ اب ان سیڑھیوں پر چڑھ کر وہ چوٹی تصور کرلی کہ آگئی۔ اونچے زینے پر چڑھ کر۔ وہاں سے اس ڈھلان پر چڑھ کر وہ ہوگیا کہ جناب یہ بلندی ہے اس کی۔ ہمارے ہاں کا بڑا منبر سات زینوں کا ہوتا ہے۔ تو بس اتنی بلندی کوہِ صفا کی ہے اور اسی کیلئے کبھی ممکن ہے، کہہ چکا ہوں کہ جب تبلیغِ عام کیلئے رسول کوہِ صفا پر تشریف لے گئے تو یہ کوہِ صفا پر جانا نہ تھا تبلیغِ رسالت کیلئے ایک منبر کی تلاش تھی۔ جہاں صفا موجود تھا، وہاں اُسے منبر بنالیا۔ جہاں صفا نہ تھا، وہاں پالانِ شتر کو منبر بنالیا۔

تو اب جسامت کے لحاظ سے تو یہ ہے کہ وہ پہاڑ مجھے تو معلوم نہ ہوتا کہ پہاڑ ہے۔ پہلے سے معلوم تھا کہ پہاڑ ہے تو سمجھا کہ پہاڑ ہے۔ اس کے بعد پھر وہ کیوں ہے شعائر اللہ میں سے؟ کیا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے جلوہ کا ظہور کبھی اس پر ہوا ہے؟

توحضورِ والا! ہم اُسے لا مکان سمجھتے ہیں،جسم وجسمانیت سے بَری۔کسی کو اوتار ماننا بھی شرک سمجھتے ہیں، کسی جگہ اس کے جلوۂ ذات کا ظہور بھی ناممکن سمجھتے ہیں۔تو یہ بات نہیں ہوسکتی کہ وہاں کبھی اس کا جلوہ نمودار ہوا ہو۔تو پھر آخر کیا بات ہے کہ یہ پہاڑیاں شعائر اللہ میں سے ہوگئیں۔اس کا جواب مجھے مذہب کی تاریخ سے ملا اور وہ تاریخ مذہب جو حدیث سے مرتب ہوئی کیونکہ اس دور کی باتیں تاریخ نویسوں کے حدودِ علم سے باہر ہوتی ہیں۔ماوراء التاریخ کا دَور ہے تو اس لئے دنیا کو جو حدیثوں سے ثابت ہوتا ہو،اسی کو تاریخ ماننا پڑے گا۔

تو جناب! تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والی ایک بی بی، وہ کون؟ جنابِ ہاجرہ، خلیل اللہ کی شریکِ حیات، جنابِ اسماعیل ان کے فرزند۔ ابھی صغرسنی کی منزل میں، دودھ پیتا ہوا بچہ اور اب یہاں دنیا کے عام الفاظ یا عام تصور یہ کہ پہلی بیوی جو تھیں، جنابِ سارہ، انہوں نے کہا کہ میں یہاں ان کا رہنا گوارہ نہیں کرتی، ان کو لے جایئے۔تو گویا بیوی کی فرمائش سے مجبور ہو کر دوسری بیوی کو لے کر نکل آئے اور ہوسکتا ہے کہ اس بیوی کی فرمائش بہانہ بن گئی ہو کسی مقصدِ الٰہی کی تکمیل کا کیونکہ وہ بیوی کوئی معمولی بیوی نہیں تھی۔خاندانِ رسالت سے تھی وہ بیوی اور ایسی بیوی تھی،قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتوں نے اُسے اہل البیت کہہ کر خطاب کیا۔بیوی اہل البیت میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہوتی۔اُمِ سلمہ جیسی بیوی اہل البیت میں داخل نہیں کی جاتی مگر اُسے ملائکہ نے اہل البیت کہہ کر خطاب کیا تو وہ اس لئے نہیں کہ رسول کی بیوی ہے بلکہ اس لئے کہ وہ بیتِ رسالت سے ہے اور کچھ خاص صفات کی حامل ہے۔میرے پاس ان کی جلالتِ قدر کے شواہد احادیث سے موجود ہیں کہ جس منزل پر مثلاً جنابِ سیدہ عالم کی ولادت میں

روایت ہے کہ جنابِ خدیجہ سے پیغمبر اسلام کی شریکِ حیات ہونے کی وجہ سے تمام خواتین مکہ نے قطع تعلق کر لیا تھا۔تو اب ان کے ہاں ولادت ہونے والی تھی تو کوئی مکہ کی عورت تیار نہیں تھی کہ وہ مدد کو آئے۔

تو قدرت کی طرف سے کچھ خواتین بھیجی گئیں۔ان خواتین میں سارہ کا بھی نام ہے اور اسی طرح سے اور مواقع پر خاندانِ رسالت کے،مثلاً حورانِ جناں آئی ہیں۔یا وہاں حوا ہیں اور ان کے ساتھ سارہ کا نام بھی ہے۔تو معلوم ہوتا ہے کہ سارہ کوئی معمولی عورت نہیں تھیں۔بلند مرتبہ خاتون تھیں۔اسی طرح اس بلند مرتبہ فہرست میں کلثوم، خواہر موسیٰ کا نام آیا۔یہ بھی عام طور پر معلوم نہیں عام لوگوں کو کہ کلثوم نام تھا جنابِ موسیٰ کی بہن کا تو وہ بھی ایسی ہی خواتین میں سے ہیں جو ایسے محل پر آئیں۔اس سے ظاہر ہے کہ یہ خواتین بھی وہ ہیں جو ایک طرح کی زندگی کی مالک ہیں۔زندہ نہیں ہیں تو وہ کیونکر آئیں مدد کو۔وہ آرہی ہیں، مدد کر رہی ہیں خالق کے حکم سے۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواتین بھی بلند پایہ خواتین ہیں۔ان میں سے ہیں جنابِ سارہ۔تو بہرحال انہوں نے کہا ہو یا نہ کہا ہو، بہرحال ہے یہی کہ ان کے کہنے سے یہ گئے۔اب یہ لے جاتے کسی شہر میں، لے جا کر پہنچاتے،مگر یہ انہیں ایک بے آب و گیاہ میدان میں لے آئے، وہ کونسا؟ جہاں کعبہ ہے اور وہاں لا کر انہیں رکھ دیا۔ایک خاتونِ محترمہ اور ان کا ایک بچہ صغیر، ایک کوزۂ آب اور دو تین روٹیاں پاس رکھ گئے۔وہ کہاں تک فاقہ کرتیں؟ اب یہاں ایک جملہ جو عرض کروں گا، اُس سے پتہ چلے گا کہ کیا بیوی کے کہنے سے لائے؟ جب چلنے لگے، ہاجرہ نے پوچھا: یا خلیل اللہ! کس پر چھوڑا؟ کہا: جس کے حکم سے لایا ہوں۔

چلے گئے، اب وہ روٹی ختم ہوگئی، پانی ختم ہوگیا۔ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ پہلے ماں پر پیاس کا غلبہ ہوا، بھوک اور پیاس کا اور وہ غلبہ اتنا ہوا کہ بچے کا جوفطری ذخیرۂ غذا ہے، وہ ختم ہوگیا۔ شروع میں بچے کی غذا روٹی نہیں ہوتی۔ تو اب جب یہ منزل پہنچی تو بچے پر پیاس کا غلبہ ہوا، بھوک کا غلبہ ہوا۔ جب تک اپنی بھوک اور پیاس رہی، برداشت کیا لیکن جب بچہ تڑپنے لگا تو اب اپنی جگہ سے اٹھیں، ممکن ذریعہ کیا تھا؟ چاروں طرف دیکھا تو کہیں پانی کا نشان نہیں۔ ایک طرف کوہِ صفا نظر آیا اور دوسری طرف کوہِ مروہ نظر آیا۔ چونکہ بلندی پر جانے سے حدِ نظر میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے، لہٰذا پہاڑ پر گئیں کہ کہیں تو چشمہ ہوگا اُدھر تو نظر آئے گا۔ اُدھر گئیں کہ کہیں اِدھر ہوگا تو نظر آئے گا۔ مگر وہاں ہوتا تو نظر آتا۔ کہیں دور دور تک پانی نہیں۔ اب صورتِ واقعہ یہ بتاتی ہے کہ پانی تلاش کرنے کیلئے جاتی ہیں۔ مگر پھر تصور یہ ہوتا ہے کہ بچہ اکیلا ہے تو اُتر کر آجاتی ہیں بچے کے پاس۔ پھر اس کی تڑپ دیکھی نہیں جاتی۔ تو گویا اپنی نگاہ کو جھٹلاتی ہیں کہ پھر جاؤں، پھر دیکھوں تو چشمہ نظر آئے یا کوئی قافلہ آتا ہوا نظر آئے اتفاق سے تو اس سے پانی دستیاب ہو۔

غرض سات مرتبہ گئیں صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک۔ تو جناب! وہ عمل ان کا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کیلئے جزوِ حج بنا دیا۔ وہی سعی، سعی کے معنی ہیں دوڑنا۔ ظاہر ہے کہ صورتِ حال یہ ہے کہ اپنی ممکن تیز رفتاری سے چل رہی ہوں گی۔ تو وہ جزوِ حج بنا دیا۔ سعی کے نام سے۔ ہر حاجی کسی بھی نقطہ نظر کا ہو لیکن حج اگر کرے گا تو وہ سعی بھی کرے گا۔ تو اب ان حاجی صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ بھی پیاسے ہیں؟ ان سے پوچھئے کہ کیا یہ بھی تلاشِ آب کر رہے ہیں؟ تو نہ یہ پیاسے ہیں، نہ یہ تلاشِ آب کر رہے ہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ اصل مقصد کا تعلق پہلے صاحبِ عمل

سے ہوتا ہے۔ دوسرے احکام جو ہیں وہ اس کی یاد کو قائم رکھتے ہیں اور اگر شعوری طور پر ذہن میں اس کی یاد رہے گی تو پھر اس مقصد کی اہمیت بھی ذہن میں ضرور رہے گی جس کیلئے اس نے وہ کارنامہ انجام دیا۔ تو اس کو جزوِ حج بنادیا۔

اب ایک اور پہلو کی طرف بافہم مجمع کو مخاطب کروں، متوجہ کروں کہ وہ قادرِ مطلق جس نے بعد میں انتظام کیا، جو ابھی عرض کروں گا، وہ کیا اس پر قادر نہیں تھا کہ پہلے ہی وہ انتظام کر دیتا سیرابیِ اسماعیل کا؟ کیا اسے اچھا معلوم ہوتا تھا کہ ایک فاقہ زدہ خاتون اتنی تگ و دو کرے، اتنی جدو جہد کرے مگر اسے تو قیامت تک کے افراد کو یہ سبق دینا تھا کہ جب تک سعی نہیں کرو گے، نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ اگر دنیا چاہتے ہو تو بغیر سعی کے نہیں ملے گی اور اگر آخرت چاہتے ہو تو بغیر سعی کے نہیں ملے گی۔ صرف نعرے لگا دینے سے، صرف کچھ نام لے لینے سے یہ اُمید نہ کرو کہ بہتر سے بہتر نتیجہ مل جائے گا۔ اس کی راہ میں جدو جہد بھی کرنا ہوگی۔

صورتِ واقعہ یہ بتاتی ہے کہ یہ ہم تر و تازہ جاتے ہیں، سات دفعہ چکر لگاتے ہیں۔ تھوڑا سا تھک جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ بی بی جو نہ جانے کتنے دن سے بھوکی تھی اور کتنے دن سے پیاسی تھی۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ امکانی طاقت اتنی ہی تھی۔ اب جیسے تھکن سے چور ہوگئی تھیں اور اب جیسے کچھ نا اُمیدسی ہوگئی تھیں۔ تو بس جہاں انسانی طاقت ختم ہوئی، وہاں سے خدا کی قدرت شروع ہوئی۔ بس اب ساتویں دفعہ کے بعد جو پلٹیں تو دیکھا کہ جہاں بچہ ریت پر ایڑیاں رگڑ رہا ہے، وہیں سے پانی اُبل رہا ہے۔ اب یہ تفصیل تو قرآن مجید میں نہیں ہے، روایتوں میں ہے۔ اب خلافِ توقع، خلافِ اُمید ایسی مایوسی کے عالم میں پانی نظر آرہا ہے تو اب یہ انسانی تصور کی کمزوری ہے۔ اضطراب ہے کہ پانی چلا نہ جائے تو اپنی زبان سے کہا کہ "زم

زم"، یعنی تھم تھم۔ روایت بتاتی ہے کہ اگر زم زم نہ کہا ہوتا تو نہ جانے کہاں تک نہر بن کر جاتا کیونکہ اللہ کی خاص خاتون جو اس کے ہاں مقبول تھی، اس نے زم زم کہہ دیا تو گویا پانی اس کی اطاعت کر رہا ہے۔ اب وہ وہیں رُک گیا۔ کنواں کہا جانے لگا۔ چاہِ زمزم ہو گیا ورنہ وہ چشمہ زمزم ہوتا یا نہر زم زم ہوتی۔ خصوصیت زمزم کی کیا ہے؟ ماشاءاللہ حجاج کرام اندازہ کر سکتے ہیں، جو نہیں گئے ہیں، انہوں نے سنا ہوگا۔ اب تو سنا ہے کہ کچھ ایسا کر دیا ہے کہ بند ہو گیا ہے، وہاں تک رسائی ہی نہیں ہے۔ لیکن جب تک رسائی تھی، اس وقت تک وہ لاکھوں آدمی، لاکھوں سے کم تو بحمداللہ مردم شماری ہوتی ہی نہیں حاجیوں کی۔ تو وہ لاکھوں آدمی پیتے ہیں ہر وقت، سقے مشکیں بھرے ہوئے زمزم کا پانی پلاتے پھرتے ہیں جس کے پیسے وہ وصول کرتے ہیں اور لوگ اس زمانہ میں اب نہیں کر سکتے ہوں گے۔ اپنے کپڑے دھوتے ہیں، چادریں دھو دھو کر لے جاتے ہیں اس سے۔ کفن اس سے دھوتے ہیں۔ دنیا والی چادریں بھی اور عقبیٰ والی چادریں بھی اور ڈبوں میں، مشکوں میں جتنا ظرف ہو جس کے پاس، اتنا پانی ہر ایک بھر لیتا ہے۔ لیکن کبھی سننے میں نہیں آیا کہ زمزم نے بخل کیا ہو۔ کسی وقت سنا ہو کہ زمزم خشک ہو گیا۔

اب وہ پانی اس میں سے نہیں نکل رہا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ عالم امکان میں اللہ تعالیٰ نے نقشہ پیش کر دیا ہے اپنے خزانۂ عطا کا کہ یہ میری مخلوق ایک چشمہ فیض ہے کہ اس میں سے جتنا لو گے، وہ دے گا۔ اس میں کمی نہیں ہوگی۔ تو میرا خزانۂ عطا کہاں ختم ہوتا ہے۔ تو یہ ہے بس جو تاریخ مذہب سے ہمیں ملی۔

اب ہر صاحبِ فہم غور کرے کہ کوئی روایت نہیں بتاتی کہ جنابِ ہاجرہ کے پیر سے خون کا کوئی قطرہ اس زمین پر گر گیا ہو مگر اللہ کی راہ میں جو چلی بھی تو اس بی بی

کے قدم سے تھوڑی دیر کیلئے جو پہاڑیاں مس ہو گئیں، وہ شعائر اللہ میں داخل ہو گئیں بنص قرآن۔ تو برائے خدا بتایئے کہ وہ زمین جہاں شہیدوں کا خون جذب ہو جائے ہم اگر اُسے خاکِ پاک کہیں اور اس کا احترام کریں تو اُسے شرک کہا جائے؟ اگر وہ پہاڑیاں شعائر اللہ میں ہو سکتی ہیں تو پھر کربلا کی زمین بھی شعائر اللہ میں سے ہم کہیں تو اُسے قبول کیجئے۔

اس کے بعد وہ دوسری آیت میں نے پڑھی تھی:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ"۔

"وہ جانور کون جو قربانی کیلئے رکھے گئے ہیں، وہ شعائر اللہ میں سے ہیں"۔

اب اسی ترجمہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ابھی وہ قربان ہوئے نہیں ہیں مگر چونکہ قربانی کی نیت سے وہ رکھے گئے ہیں، اسی غرض سے وہ ساتھ رکھے گئے ہیں، لہٰذا بحالتِ حیات بھی وہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ بس اب عقل سے کام لیجئے اور یاد رکھئے کہ دین انہی کے لئے ہے جن کے پاس عقل ہو۔ وہ کوئی اور مذاہب ہوں گے جو عقل کے اوپر پہرے لگاتے ہیں۔ قرآن تو ہر جگہ صاحبِ عقل کو پکارتا ہے۔ ارے بے عقلوں کو تو اس نے تکلیفِ شرعی سے ہی بری کر دیا ہے۔ مگر فطری طور پر بے عقل ہو، جان بوجھ کر بے عقل نہ ہو۔ ان کے خلاف وہ عقل ہی حجت ہوگی۔ عقل رکھتے تھے مگر تم نے عقل سے کام نہ لیا۔ تو اب دیکھئے کہ حیوان جو راہِ خدا میں خدا کے حکم سے یعنی حج کی راہ میں ہیں، لہٰذا راہِ خدا ہی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا قربانی کا حکم ہے، لہٰذا حکمِ خدا ہی ہوا۔ حکمِ خدا سے قربان کرنے کیلئے ساتھ رکھے گئے ہوں تو وہ اپنی حیات میں بھی شعائر اللہ ہیں اور اسی سے سمجھ میں آئے گا کہ جب قربانی ہو جائے، تب بھی وہ قابل احترام

ہیں، شعائر اللہ ہیں۔

تو بتائیے حیوان راہِ خدا میں بحالتِ حیات شعائر اللہ ہوں تو وہ انسان جو راہِ خدا میں قربان ہو جائیں، وہ انسان شعائر اللہ میں نہ ہوں گے؟ ان کی تعظیم کیجئے تو شرک ہو جائے، جانوروں کی تعظیم خدا کا حکم ہے اور انسانوں کی تعظیم شرک قرار پائے، جنہوں نے اپنی پوری زندگیاں راہِ خدا میں قربان کر دی ہوں۔

ماشاء اللہ صاحبانِ فہم ہیں، ذرا غور کیجئے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ شہید ہونا اپنے اختیار کی بات نہیں ہے۔ شہید ہونا قسمت سے وابستہ ہے۔ اپنے اختیار کی بات تو میدانِ جنگ میں جمے رہنا ہے۔ تو حضور! وہ جانور شعائر اللہ ہوں اور انسان شعائر اللہ نہ ہوں۔ میں نے کہا کہ وہ جانور ابھی ذبح نہ ہوئے ہوں، بحالتِ حیات شعائر اللہ، تو اب نتیجہ نکالئے، اگر عقل ہو تو پھر وہ انسان جو راہِ خدا میں قربان ہونے والے ہوں، وہ بعدِ شہادت ہی شعائر اللہ نہیں ہیں بلکہ وقتِ ولادت ہی سے شعائر اللہ ہیں اور اس کے بعد آپ کے جانے پہچانے ہوئے واقعات سب کے ہاں ہیں کہ رسول اللہ بچوں کے بوسے لیتے تھے۔

بلاشبہ ہے، روایت، وہ میں اب نہیں سمجھ سکتا اور فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ بچوں سے محبت تھی یا شعائر اللہ کا احترام تھا۔ فیصلہ یہ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ دین اسلام دینِ فطرت ہے۔ لہٰذا بچوں سے محبت بھی کوئی خلافِ شان بات نہیں ہے۔ بچوں سے محبت کرنا بھی منظورِ قدرت ہے۔ ہمیں بھی اپنے بچوں سے محبت ہونی چاہئے تو خلافِ شان ہوتا تو میں شک کا اظہار نہ کرتا، یقین کے ساتھ تو میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ بچوں کی محبت ہے یا شعائر اللہ کا احترام، مگر اب جو روایتیں گوشِ زد ہیں اور آپ کے بھی گوش زد ہیں اور میری نظر سے بھی کتابوں میں گزری ہیں، ان کے پیشِ

نظر ابھی تک تو میں شک کا اظہار کر رہا تھا لیکن اب میں اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ نہیں، بچوں کی محبت محرکِ بوسہ نہ تھی بلکہ شعائر اللہ کا احترام ہی مدِنظر تھا۔

اس کا ثبوت کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اگر بچوں کی محبت ہو تو پیشانی بھی اپنے بچے کی ہے، رخسارے بھی اپنے بچے کے ہیں، ہاتھ بھی اپنے بچے کے ہیں، سینہ بھی اپنے بچے کا ہے۔ مگر کیا بات ہے کہ جب بوسے لیتے ہیں تو ایک کے دہن کے بوسے لیتے ہیں اور ایک کے گلے کے بوسے لیتے ہیں؟ میں پوری ضمانت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ سند کیسی ہے، کس درجہ کی روایت ہے مگر بہرحال یہ روایت آپ نے سنی ہوگی کہ بعض وقت بچے کو ذرا یہ بات محسوس ہوئی۔ یہ آپ نے سنا ہوگا۔ ایک دفعہ سیدہ عالم کے پاس گئے اور یہ کہا کہ مادرِ گرامی! ذرا دیکھئے ہمارے منہ سے کیا بدبو آتی ہے؟

سیدہ عالم نے کہا کہ تمہیں یہ تصور کیوں ہوا؟ تمہارے دہن سے تو مشک و عنبر سے بہتر خوشبو آتی ہے۔ یہ تم پوچھ ہی کیوں رہے ہو؟ تو کہا: بس اس لئے پوچھ رہے ہیں کہ ہم بھی نانا کی گود میں ہوتے ہیں اور جب ہماری باری آتی ہے تو ہم اپنا دہن بڑھاتے بھی ہیں تو نانا ہمارے منہ کو ہٹا کر گلے کے بوسے لے لیتے ہیں۔

سیدہ عالم حقیقت سے تو واقف تھیں مگر فرمایا کہ چلو، تمہیں تمہارے نانا جان سے ابھی پوچھ دیتی ہوں۔ حسینؑ کو ساتھ لیا اور آئیں بابا کی خدمت میں اور ممکن ہے بالکل الفاظ نہ ہوں۔ اُس دن نقل بالمعنی کے متعلق عرض کر چکا ہوں۔ حقیقتِ حال وہی ہو اور ممکن ہے کہ الفاظ ہمارے ہوں کہ وہ سیدہ عالم نے جیسے فرمایا کہ بابا جان! آپ ہی تو کہتے ہیں کہ حسین کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، مگر کیا بات ہے کہ آپ ہی کے عمل سے کوئی بات ایسی ہو جائے کہ اس کی آنکھیں اشک

آلودہ ہوجائیں؟

فرمایا: کیوں، کیا ہوا؟ کہا: اس نے ابھی جا کر مجھ سے یہ کہا ہے۔

تو میں تو محسوس کرتا ہوں کہ رسول نے فرمایا ہو کہ ارے فاطمہ! جانے دو، سن کر کیا کروگی؟ انہوں نے کہا ہو کہ نہیں، میں تو چاہتی ہوں اس کو اطمینان دلانا۔ فرمایا: تو پھر سنو کہ حسنؑ کے لب کے بوسے لیتا ہوں، اس لئے کہ زہر دغا متصل ہے اس کے لبوں سے۔ اس کے گلے کے بوسے لیتا ہوں، اس لئے کہ خنجر جفا متصل ہے اس کے گلے سے۔

بس! اس روایت سے سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہی قربانی پیش نظر ہے جس کی بناء پر بوسے لے رہے ہیں۔ اور اب یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔ یہ بھی روایت میں ہے کہ حسین آتے ہیں اور رسول فرماتے ہیں کہ یاعلی! ذرا پیرہن اٹھاؤ، حسین کے جسم سے۔

جناب شیخ جعفر شستریؒ نے لکھا ہے "خصائص حسینیہ" میں، پیرہن اٹھاتے ہیں، اب جابجا رسول بوسے لیتے ہیں اور علی بھی کہتے ہیں: یارسول اللہ! یہ آپ کیا کررہے ہیں؟ فرماتے ہیں:

"اُقَبِّلُ مَوَاضِعَ السُّيُوْفِ وَاَبْكِيْ"۔

"جہاں جہاں تلواریں پڑیں گی، وہاں وہاں بوسے لے رہا ہوں"۔

اب وہ تو ہر دن کچھ نہ کچھ اس سلسلہ میں عرض کرنا ہے کہ ہمارے گروہ پر مختلف سوالات ہوتے رہتے ہیں تو ان میں سے ایک یہ سوال بہت بڑا ہے جسے ایک شاعر نے کہا کہ زندہ کو رویا جاتا ہے۔

روئیں وہ جو قائل ہوں مماتِ شہداء کے۔

ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

یہ گویا بہت مشہور شعر ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ ہم سے تو بعد میں پوچھنا چاہیئے۔ وہ بچہ جب پیدا ہوا اور رسول کی گود میں لاکر دیا گیا، اسی وقت پیغمبرؐ اسلام کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور گریہ فرمانے لگے۔ تو کسی نے کہا کہ رسولؐ اللہ! یہ تو خوش ہونے کا موقع ہے، آپ رو کیوں رہے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں: تمہیں نہیں معلوم اس پر مصائب کیا پڑیں گے؟ تو میں کہتا ہوں کہ ہم سے آپ پوچھ رہے ہیں کہ زندہ کو کیوں روتے ہو؟ اسی وقت رسولؐ اللہ سے یہ پوچھتے کہ زندہ کو کیوں رو رہے ہیں؟ ارے یہ زندگی تو عالمِ معنی کی ہے، آنکھوں کے سامنے والی زندگی نہیں ہے اور وہ تو اس وقت حیاتِ عنصری کے ساتھ، سانس لیتی ہوئی زندگی کے ساتھ رسول کی گود میں تھے اور اس کے باوجود رسولؐ گریہ فرما رہے تھے۔

تو اب تو سمجھے کہ گریہ موت پر نہیں ہوتا، مصائب پر ہوتا ہے۔ اگر پیغمبرؐ خدا کو اس کی زندگی میں رونے کا حق تھا تو ہمیں اس نوعِ زندگی میں رونے کا حق ہے۔ یہ کیا کہ زندہ کا ماتم نہیں ہوتا، زندہ کو رویا نہیں جاتا۔ میں کہتا ہوں کہ جناب یوسف بھی تو زندہ تھے اور روایت کی بات نہیں ہے، نصِ قرآن کی بات ہے۔ قرآن سے ثابت ہے کہ انہیں اطلاع مل گئی تھی کہ زندہ ہیں، بعد میں کہا کہ جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔ تو بتایا جاچکا تھا انہیں کہ زندہ ہیں اور اس کے بعد کتنا روئے ہیں۔

"اَبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ"۔

"آنکھیں سفید ہوگئیں روتے روتے"۔

اب وہ ہر وقت رنج وغم سے خاموش رہتے تھے۔ معلوم ہے کہ زندہ ہیں۔ تو یہ نہیں کہ مرنے کا غم ہوتا، جدائی کا بھی غم ہوتا ہے۔ مصائب پر بھی رونا ہوتا ہے۔

مختلف صورتیں ہیں گریہ کی۔ اب جو چیز عرض کر رہا ہوں، وہ چاہے مختصر ہو مگر آپ کیلئے بڑے مرثیے کے برابر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عقلی اصول کے لحاظ سے (میں کہیں عقل کا دامن نہیں چھوڑتا)، کہ اگر ایک بھائی کے لب شعائر اللہ ہیں، ایک بھائی کی گردن شعائر اللہ میں داخل ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایک بہن کے بازو بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اور وہ بھی بابِ مصائب میں جو روایات بیان ہوتی ہیں، اس میں ضمانت نہیں ہوتی صحتِ سند کی۔ بس کتاب میں ہوں۔ ہاں! وہ چیز روا نہیں ہے کہ منبر پر جا کر بروقت تصنیف ہو۔

گویا ایک چیز جس کا کہیں وجود نہ ہوا اور میں نے تو دیکھا کہ زیادہ تر یہی ہوتا ہے، اس کیلئے کوئی وجۂ جواز نہیں بلکہ وہ "اِفْتَرَا عَلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْل" میں داخل ہے، جو اگر حالتِ روزہ ہو تو روزے کو باطل کر دیتی ہے۔ تو وہ حدیث کربلا میں بیان ہوئی ہے۔

مصائب

اور بڑے سخت وقت میں بیان ہوئی ہے۔ بس اربابِ عزا! اسی ذکر پر مجلس کو ختم کروں گا کہ وہ وقت ہے جب ابوالفضل العباس علیہ السلام جا رہے ہیں اور سکینہؑ سے مشک لے چکے اور اب رخصت ہو رہے ہیں تو حضرت ثانی زہرا سلام اللہ علیہا سے، سب سے آخر میں زینب سے رخصت ہونے آئے، کہا: بی بی! اب میں جا رہا ہوں۔ زینبؑ تو جانتی تھیں کہ پانی لانا فقط بہانہ ہے جانے کا، جو گیا، واپس نہیں آیا، عباسؑ بھی واپس نہیں آئیں گے۔ کہنے لگیں: بھائی! جاتے ہو تو چلتے چلتے ایک حدیث سنتے جاؤ:

اب مجھے تو اس کے بیان کیلئے یہی الفاظ ملتے ہیں کہ شیر خدا کا شیر سر جھکا

کر بہن کے قدموں پر بیٹھ گیا، اس لئے کہ جانشین فاطمہؑ حدیث سنانے لگی ہیں۔ اے بھائی! سنو، بچپن میں ایک دفعہ بابا کے زانو پر بیٹھی تھی، میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ بابا سے مراد امیرالمومنینؑ ہیں یا رسولؐ اللہ، اگر حسنؑ وحسینؑ فرزندِ رسول ہیں تو زینبؑ کو کیوں حق نہیں تھا کہ وہ رسولؐ اللہ کو بابا کہیں؟ بہرحال وہاں "آبِ" ہے، بابا۔

باپ کے زانو پر بیٹھی تھیں، اب اندازہ کیجئے کہ کم سن ہیں کہ بزرگ کے زانو پر بیٹھی ہیں اور اب یہ ہوائے زمانہ ہے، کتنی مخالف بات ہے مگر جب موقعہ آئے گا ایسی بات کہنے کا تو کہوں گا ضرور کہ اتنی کم سن کہ بزرگ کے زانو پر بیٹھی ہیں مگر تہذیبِ خاندانِ رسالت یہ ہے کہ اس وقت دوش پر چادر ہے۔ یہ جزوِ روایت ہے، کہتی ہیں کہ بابا کے زانو پر بیٹھی تھی کہ ایک دفعہ میرے دوش سے چادر ہٹ گئی تو بابا نے جھک کر میرے بازو کا بوسہ لے لیا۔

چونکہ ایک نئی بات تھی، اس لئے میں کھڑی رہ گئی، میں نے کہا: بابا! یہ آپ نے آج کیا کیا؟ فرمایا: زینب! ایک دن ان بازوؤں میں رسی بندھے گی۔ کہتی ہیں: اس وقت تو میں کم سن تھی، بعد میں جب بڑی ہوئی اور گھر بھائیوں سے بھر گیا تو نہ جانے کب کب میں نے سوچا، بچپن کی اس بات کو کہ جس بہن کے اٹھارہ بھائی ہوں، کس کی مجال ہے کہ اُس کے بازوؤں میں رسی باندھے، مگر اے عباسؑ! سب جا چکے، اب تم بھی جا رہے ہو، یقین ہو گیا کہ بہت جلد ان بازوؤں میں۔۔

مجلسِ پنجم

- قرآن مجید کی اس آیت ''اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيۡلِ '' کہ جب رات آئے تو روزہ ختم کرو، سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی حد ہے کہ رات آئے۔ اگر صرف سورج کے نظر سے اوجھل ہونے سے رات ہوجایا کرتی ہوتو افطار تو وہ ہے اور اگر کچھ تاریکی کی ضرورت ہے تو پھر افطار کا وقت یہ سمجھئے
- خدا نے دعا کا کیوں حکم دیا؟ کیا وہ خوشامد پسند نہیں کہ خوشامد کرو؟ معاذ اللہ یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔نہیں ، چونکہ یادالٰہی ہماری تعمیر زندگی کا سبب ہے، اسلئے اس نے اس دعا کا حکم دے کر کہا کہ اپنی غرض سے ہی سہی، مجھے یاد کرو۔
- میلاد کے جلسوں میں یہ قمقمے اور اتنی روشنی کا انتظام، یہ جھالریں کچھ مولوی صاحبان ان سب چیزوں کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، یہ کیا ہے؟ ذکرِ رسولؐ ہے یا کچھ اور ہے؟ اگر ذکر رسولؐ ہے تو وہ اندھیرے میں ہوتا، تب بھی عبادت، روشنی میں ہے، تب بھی عبادت۔
- یہ ذہنیت میرے نزدیک قابل افسوس ہے کہ اپنے گھر میں روشنی ہو تو بدعت نہیں ہے، رسولؐ کے ذکر میں روشنی ہو تو بدعت ہے۔
- ہماری مجلسوں کے دو ہی کردار ہوتے ہیں، ایک کردار ذاکر کا ہوتا ہے، ایک کردار سامعین کا ہوتا ہے۔ جو ذاکر کا کردار ہے، وہ بھی عمل رسولؐ ہے اور جو سامعین کا کردار ہے، وہ بھی عمل رسولؐ ہے۔

شعائر الٰہیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾

(جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ عمل دلوں کی پرہیزگاری کا ایک جزو ہے۔)

جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ کا جزو ہے۔ تعظیم شعائر پر جو الزام شرک لگتا ہے، اس پر چادر دن تک گفتگو کر چکا۔ اب جس طبقہ کو شرک کا لفظ بہت حفظ ہے، اسی کو ایک دوسرے لفظ بدعت کی بہت یاد ہے۔ زیادہ تر تو شرک شرک کی آواز بلند ہوتی ہے اور جہاں ذرا رعایت سے کام لے کر شرک نہیں کہا، وہاں بدعت کہہ دیا جاتا ہے۔ تو اس لئے آج بدعت کے متعلق عرض کروں گا۔ بدعت کے لفظ کا ہمارے ہاں مفہوم الگ ہے اور مسلمانوں کی اکثریت میں اس کا مفہوم الگ ہے۔ میں دونوں مفہوم پیش کروں گا اور زیادہ تفصیل سے دوسرے مفہوم کو کیوں کہ اس کی بنیاد پر بدعت کی آوازیں زیادہ سننے میں آتی ہیں۔ اس سے پہلے اپنے نقطہ نظر کو عرض کروں گا۔ بدعت کے معنی، جو بہت ہی سطحی نگاہ والے سمجھتے ہیں کہ ہر نئی بات، تو مطلق طور پر، آنکھ بند کر کے ہر نئی بات کو کوئی بدعت نہیں سمجھتا۔ اس میں ہمارے ہاں بھی ایک اصطلاح ہے اور ان کے ہاں بھی ایک

اصطلاح ہے۔ ہمارے ہاں بدعت کی تعریف ہے:

اِدْخَالُ مَالَيْسَ مِنَ الدِّيْنِ فِي الدِّيْنِ وَاِخْرَاجُ مَاهُوَ فِي الدِّيْنِ مِنَ الدِّيْنِ

جو چیز دین میں نہیں ہے، اس کو دین میں داخل کرنا اور جو چیز دین میں داخل ہے، اس کو دین سے خارج کرنا۔

یہ ہمارے نزدیک بدعت کی تعریف ہے۔ کوئی بھی کام کریں اور اس کو یہ سمجھ کر نہ کریں کہ یہ دین کا جزو ہے تو اسے بس یہ دیکھنا ہوگا کہ شرع میں اس کی ممانعت تو نہیں ہے۔ اگر شرع میں ممانعت ہے تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہ بدعت ہے، یہ کہیں گے کہ حرام ہے۔ یعنی شرع نے ناجائز قرار دیا ہے۔ یعنی ممانعت شرعی کی بناء پر اسے حرام کہیں گے۔ فرض کیجئے کہ ممانعت اس حد پر نہیں ہے، کم درجہ پر ہے تو اسے مکروہ کہیں گے۔ غرض یہ جو شرع کے احکام ہیں، دو مثبت، دو منفی، مثبت حکم واجب اور مستحب، منفی حکم حرام اور مکروہ۔

پانچواں حکم ہے بین بین یعنی مباح جائز۔ یعنی نہ اس کے کرنے کا حکم، نہ اس کے نہ کرنے کا حکم۔ تو اب اگر کسی چیز کی ممانعت ہوئی ہے تو وہ کچھ ممانعت کا لب ولہجہ، کچھ انداز اس سب سے علماء یہ اندازہ کرتے ہیں کہ یہ ممانعت حرمت کی حد تک ہے تو اس کو کہتے ہیں حرام۔ اور اگر سمجھ میں یہ آتا ہے کہ بس گویا اولیٰ یہ ہے کہ نہ کریں، بہتر یہ ہے کہ نہ کریں تو اسے کہتے ہیں مکروہ۔ اسی طرح جس کا حکم ہوا ہے اگر لزومی حکم ہوا ہے تو واجب کہتے ہیں، غیر لزومی حکم ہے یعنی بہتر ہے کہ کریں تو اسے مستحب کہتے ہیں۔ جہاں حکم نہ ادھر کا ہے، نہ ادھر کا ہے اسے مباح

کہتے ہیں۔ تو یہاں بدعت کا لفظ کہیں پر نہیں آئے گا۔ نہ فعل میں آئے گی، نہ ترک میں آئے گا۔ اگر فعل ہو جزو دین سمجھ کر اور وہ دین کا جز نہیں ہے تو وہ فعل بدعت اور ترک ہو، جزو دین سمجھ کر حالانکہ وہ جزو دین نہیں ہے۔ تو وہ ترک بدعت اور جہاں فعل یا ترک جز وہ دین ہے، وہاں اس کو خارج کرنا، وہ فعل جو جزو دین ہے، اسے خارج کرنا، وہ بھی بدعت اور وہ ترک جو جزو دین ہے، اسے خارج کرنا، وہ بھی بدعت۔ اب جزو دین کیونکر ہوتا ہے فعل؟ ایک تو اعتقادات کا باب ہے کہ کون جزو دین ہیں یعنی کن کا ماننا ضروری ہے۔ وہ اعتقادات کا باب ہے۔ افعال میں کون جزو دین ہیں یعنی قربۃ الی اللہ بجالایا گیا۔ یعنی نیت اس میں ہو کہ خدا کے حکم کی وجہ سے جیسے نماز قربۃً الی اللہ بجالائی جاتی ہے۔ روزہ قربۃً الی اللہ ہوتا ہے۔ تو یہ قربۃً الی اللہ، یعنی اللہ کی رضا کیلئے، اللہ کی خوشنودی کیلئے۔ اس سے تقرب کیلئے ہم اس کام کو کرتے ہیں۔

تو اس میں فرض کیجئے اللہ کی طرف سے کوئی ثبوت نہیں اس کا کہ اللہ کو یہ کام پسند ہے اور ہم پھر یہ نیت کرکے اسے انجام دیں کہ اللہ کی رضا کیلئے کرتے ہیں تو یہ اللہ پر گویا بہتان ہے، اللہ پر افترا ہے، جھوٹ ہے۔ یہی مشرکین سے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ کیا اللہ نے تم سے کہا ہے کہ ان بتوں کی پرستش کرو؟ تم اللہ پر افتراء کرتے ہو، تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو، تو اس چیز کو جس کا حکم اس کی طرف سے نہیں ہے، یہ سمجھ کر کرنا کہ اس کا حکم ہے قربۃً الی اللہ انجام دینا، یہ بدعت ہوگا۔

اب اس میں ہم اپنے عقل آرائی سے کام لیں کہ نہیں، یہ اللہ کو ضرور پسند ہوگا، اب اس کی مثالیں۔ نماز پنجگانہ کا حکم ہے۔ اب یہ دور تو ریسرچ کا ہے کہ نئی بات کوئی کہے کہ صاحب! جب پانچ نمازیں اسے پسند ہیں تو ہم دس نمازیں

اگر واجب کی نیت سے پڑھیں تو کیا حرج ہے؟ حرج یہی ہے کہ اس نے پانچ واجب کی ہیں، آپ دس کئے دیتے ہیں۔ کوئی اس کی حمایت کرنے والا کہے کہ صاحب! کمی تو نہیں کی اور زیادتی ہی کردی تو وہ زیادتی ناجائز ہوگی، حرام ہوگی۔ ایک بدعت کی ایجاد ہوگی۔ اب اس میں کہ جو نماز پنجگانہ ہے، اس کی رکعات جتنی مقرر ہیں، صبح کی نماز دو رکعت، مغرب کی نماز تین رکعت، باقی سب چار چار رکعت۔ اب کوئی عقل آرائی کرے کہ صاحب! وہ ہماری آسانی کیلئے ہے کہ ابھی سو کر اٹھے ہو، نیند کا اثر ہے تو دو ہی رکعات پڑھ لو۔ تو کہئے کہ ہماری آسانی کیلئے تھا، ہم رضا کارانہ طور پر چار پڑھتے ہیں تو کیا مضائقہ؟

تو یہاں عقلی بحث سے کام نہیں چلے گا۔ ہاں اطاعت مولا ہے۔ اس نے دو رکعت کا حکم دیا تھا کیونکہ یہ تصور پہلی صدی سے شروع ہوگیا کہ جو حکمران ہے، وہ نماز پڑھائے، اسے نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حق ہے۔ لوگ فخر یہ کہیں گے کہ ہم نے فلاں کے پیچھے آج نماز پڑھی۔ تو جناب! جو کہیں گورنر ہوتا تھا، اس کا کام ہوتا تھا نماز پڑھانا۔ اب دور بنی امیہ میں ایک گورنر صاحب تھے جو شراب کے نشے میں چور محراب عبادت میں آئے صبح کی نماز پڑھانے اور شروع شروع کے گورنر تھے۔ جب صحابہ بھی دنیا میں موجود تھے اور بیچارے صحابہ اس نماز کی صفِ جماعت میں تھے۔ یہ روایت سے ثابت ہے، تاریخی روایت ہے۔ اب یہ سوچتے رہئے گا کہ یہ جماعت میں شامل تھے تو تقیہ تھا یا نہیں تھا۔ تو جناب! جماعت میں صحابہ بھی شامل تھے۔ اب انہوں نے آج یوں کہوں کہ ذوق عبادت تھا، تو دو رکعت کی بجائے چار رکعات صبح کی نماز کی پڑھا دیں اور اس کے بعد مڑ کر پوچھا: اور کچھ اضافہ کردوں؟ کہو تو دو چار رکعات اور؟ تو دو ایک آوازیں وہاں، نام ہیں صحابہ

میں سے بعض کے، جو وہاں تھے کہ (معاذ اللہ) ''مَعَكَ فِي زِيَادَةٍ''۔

آپ کے ساتھ تو ہم زیادتی ہی میں رہے ہیں تو اس وقت بس کافی ہے۔ اتنا ہی احسان آپ کا بہت ہے چار رکعات پڑھا دینا یا اجزائے نماز میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا کہ جناب سورہ حمد ایک دفعہ کا حکم ہے۔ ہم ایسی نماز پڑھیں جس میں سورہ حمد دو دفعہ پڑھا کریں۔ پانچ سورتیں پڑھا کریں۔ اب کوئی کہے کہ یہ کیا؟ ارے صاحب! ہم نے کوئی کمی کی ہے؟ ہم نے تو زیادتی کی ہے۔ ہماری تعریف کیجئے کہ ہم اتنی لمبی نماز پڑھتے ہیں۔ تو یہی بدعت ہوگی کہ آپ نے چھوٹی نماز کو لمبا کردیا۔ آپ کو کیا حق تھا؟ جتنا مقرر تھا، آپ کو پڑھنا چاہئے تھا۔

اسی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ قرآن دو سوروں میں حرام ہے۔ قرآن کے معنی ہیں دو سورے، بجائے ایک سورے کے۔ سورہ الحمد کے بعد ایک سورہ پڑھنا چاہئے۔ دوسرے پڑھیں تو وہ قرآن ہے۔ یا ماہ رمضان میں ہم دو دن کا روزہ رکھیں۔ رات کو بھی افطار نہ کریں۔ شروع ہی سے اگر نیت یہ کریں کہ ہم دو دن کا روزہ رکھیں۔ اگر نیت ایک ہی دن کے روزہ کی ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ رات کو آپ کچھ کھائیے بھی۔ وہ تو وقت کے ساتھ ختم ہوجائے گا، کھانا آپ کا فعل ہے۔ وہ وقت ہی نہیں رہا تو روزہ کہاں رہے گا؟ نیت بھی ایک ہی کی تھی۔ اس سے زیادہ کی نہیں ہوگی۔ تو اس سے لازم نہیں آئے گا کہ وہ صومِ وصال ہوجائے۔ صومِ وصال حرام ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دو دن مسلسل روزہ۔ اسی طرح گھٹا کر کوئی روزہ ایجاد کیا جائے۔ عوام میں کچھ مشہور ہے بعض جگہ کہ ڈھائی پہر کا روزہ اور دو پہر کا روزہ۔ تو وہ فاقہ کیجئے، آپ کو اختیار ہے۔ چاہے جتنی دیر کا کیجئے لیکن روزہ رکھنا ہے تو وہ جتنا حکم ہوا ہے۔

أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ

پس جب رات آئے تو روزہ ختم کرو۔

اورقرآن کا ایک یہی لفظ بہت سی بحثوں کا فیصلہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ معلوم ہوا کہ روزہ کی حد ہے کہ رات آئے ، اگرصرف سورج کے نظر سے اوجھل ہونے سے رات ہوجایا کرتی ہوتو افطار کا وقت وہ ہے اوراگر کچھ تاریکی کی ضرورت ہے ،تو پھرافطار کا وقت یہ سمجھئے کہ ذراتو تاریکی پیدا ہوجائے۔ بہرحال قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔

أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ

رات کے آنے تک تم روزہ کو پورا کرو۔تو یہ سب جو ہے،اسی بناء پربعض لوگ عبادت سمجھ کرکرتے ہیں۔ واقعی ہمیں ہمدردی ہوتی ہے کہ اتنی محنت، اتنی زحمت وہ کوئی آسان تونہیں ہوتا، افطار کے بعد کھڑارہنا۔مگراب ہم کیا کریں کہ ہمیں اصول شرع یہ معلوم ہوگیا ہے کہ واجب نماز میں جماعت درست ہے اورنفل میں جماعت نہیں ہوسکتی۔اب اگرکسی قسم کے بھی نفل، چاہے غیر ماہ رمضان، چاہے ماہ رمضان، چاہے دن کو، چاہے رات کو،کسی قسم کےنفل باجماعت ادا کئے جائیں گے تو اسے ہم کہیں گے کہ یہ بدعت ہے۔

اور یادرکھئے کہ ہمارے ہاں جو چیز بدعت ہو، وہ پھرحسنہ نہیں ہوسکتی۔ بدعت کی دواقسام نہیں اچھی اور بری۔ بدعت ہےتو بس بری چیز ہے۔وہ اچھی چیز نہیں ہےاورمتفق علیہ حدیث ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

وہاں اس میں کوئی قیدنہیں لگائی ہے۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

عربی دان افراد جانتے ہیں کہ شکل اولٰی رسولؐ نے بتائی ہےجس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہےاورگمراہی کا نتیجہ دوزخ ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے۔اس میں سوال اچھے اور برے کا پیدانہیں ہوا۔ بدعت جو ہے وہ بری ہی ہے۔ ان میں کوئی اچھی نہیں ہوسکتی۔تواب کوئی بھی اس طرح کی ایجاد،نئی قسم کی نماز،نئی قسم کا روزہ،نئی قسم کا حج،ان میں سے کوئی چیزبھی نئی قسم کی،اورظاہر ہے کہ روزہ ہےتوقربتاً الی اللہ رکھا جائے گا۔نماز ہےتو وہ قربتاً الی اللہ۔تو وہ بدعت ہوگی یعنی نئی قسم کی نماز وغیرہ۔

اب فرض کیجئے کہ عید کی سویاں،اس کا شرع میں کہاں حکم ہے کہ عید کے دن سویاں کھاؤ؟ مگر وہ ہمارے ہاں تو ہرجگہ ہے۔میرے خیال میں تو جو ناواقف مسلمان بھی ہیں، وہ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ سویاں کھانا خدا کا حکم ہے۔وہ یہ نہیں سمجھتے کہ آج سویوں کا کھانا کوئی عبادت ہے۔تو جناب!یہ دعوتوں میں اکثر سویاں ہوتی ہیں شیرینی کی بجائے۔ان کا کھانا جائز ہے۔ ایک دن کی قیدکر کے بھی اس کا کھانا جائز ہے۔یعنی جو چیز جائز ہے، وہ بلاقید جائز ہے۔تو قید کے ساتھ کیوں جائز نہ ہوگی؟ بس یہ تصور نہ ہو کہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ تصور ہو کہ شرعاً آج سویاں کھانا واجب ہے یا باعث ثواب ہے۔

توہمارا کوئی عالم سویاں کھانے میں عذر نہ کرے گا۔علماء کے گھرمیں بھی پکائی جاتی ہیں اورکوئی اعتراض نہیں کرتا۔لطف یہ ہے کہ اکثر ایسی باتیں ہندوستان ہی میں رائج ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں پاکستان بھی شامل ہے۔ٹکڑاتو یہ ہندوستان

ہی کا ہے۔ اب بس یہ سمجھ کے نہ ہو کہ یہ آج کے دن خدا کا حکم ہے۔ وہ تو ایک دن میں شرک کے موضوع پر بھی کہہ چکا کہ شرک کا سوال، ہزار کام ہوں، ان میں یہ لوگ پیدا نہیں کرتے، کسی حاکم کی تعظیم میں یہ سوال پیدا نہیں ہوگا۔ کسی اور بڑے ایماندار آدمی کی تعظیم ہو یہ سوال پیدا نہیں ہوگا۔ لیکن جب رسول کی تعظیم ہو تو یہ لوگ فوراً وہاں یہ سوال اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح سے یہ بدعت کا سوال بھی ہے۔ سویاں کھائیں گے تو بدعت ہو جائے گی۔ اس کے بارے میں مَیں نے تو بدعت کا فتویٰ نہیں دیکھا۔ کسی مکتبِ خیال نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ بدعت ہے، اس سے پرہیز واجب ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ اگر عید کی قید سے سویاں پکتی ہیں، ہر جگہ عید کے دن اور بدعت نہیں ہوتیں تو اگر ۲۲ رجب کو کونڈے کی طرف نسبت ہے اور وہ نسبت بھی جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف نسبت ہے، وہ اس معنی سے نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی نذر دینے والا یہ نہیں سمجھتا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی کوئی حدیث ہے یا انہوں نے کوئی حکم دیا ہے۔ وہ تو ہم اسے نسبت دے دیتے ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف۔ یہ نہیں سمجھتے کہ آج کے دن خاص طور پر سے شرع میں وارد ہوا ہے۔ ایک دن جیسے اس کیلئے مقرر خود کر لیا ہے، ویسے ایک دن اس کیلئے مقرر ہو گیا ہے۔ ہمارے ہاں تو کثرت سے اہل سنت کے گھروں میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کے کونڈے ہوتے ہیں۔

تو اب یہ کہئے کہ پھر یہ ہوا کیوں؟ ممکن ہے ہمارے جو سابق لیڈر تھے قوم کے ان کا مقصد یہی ہو کہ ہم اس ذریعہ سے کم سے کم ایک امامؑ کے نام کو دوسرے حلقوں میں بھی پہنچا دیں۔ ارے پورے سلسلہ کے نام یاد نہ ہوں، ایک تو یاد

ہو جائے گا، اپنے مطلب کیلئے ہی سہی۔ تو ایک حکیمانہ مقصد بھی ہو سکتا ہے۔ اب اس کے آغاز کے وقت ہم وہاں موجود نہیں تھے۔ ہم نے تو اب دیکھا ہے کہ یہ ہے۔ اس کا نتیجہ دیکھتے ہیں کہ وہ عام ہے۔ مجھے تو کانپور کا حال معلوم ہے کہ فتوے آنے لگے کونڈوں کے خلاف۔ چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف نسبت ہے، اس لئے بڑے زور سے فتوے آنے لگے۔ بڑے بڑے پوسٹر لگ گئے۔ مگر حضرات اہل سنت ہی کا وہ طبقہ جو اس پر عامل ہے، اسے کد ہو گئی۔ کبھی تو مکانوں کے اندر ہوتے تھے، اب شاہراہِ عام پر شامیانے لگا کر صلائے عام۔ شاید پہلے بھی اتنا اہتمام نہیں ہوتا تھا بلانے میں جتنا اب ہونے لگا کہ لوگ اس میں شرکت کریں۔

اب یہ بھی صاحب! شیرینی تو بہرحال شیرینی ہے۔ کچھ لوگ ذوق کام و دہن کیلئے اس میں شریک ہو گئے۔ جو لوگ عامل تھے، انہوں نے اپنے تجربے بتائے کہ ہماری یہ حاجت پوری ہوئی، ہمارا یہ کام پورا ہوا۔ اور میں کہتا ہوں کہ خدا نے دعا کا کیوں حکم دیا؟ کیا وہ خوشامد پسند ہے کہ خوشامد کرو (معاذ اللہ)۔ یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔ نہیں، چونکہ یادِ الٰہی ہماری تعمیر زندگی کا سبب ہے، اس لئے اس نے دعا کا حکم دے کر کہا کہ اپنی غرض سے ہی سہی، مجھے یاد کیا کرو۔

اسی طرح جن ہستیوں کو اسے مرکز ہدایت بنانا تھا، ان کو مرجع خلائق بنانا تھا، طرح طرح سے ان کی طرف بلایا۔ دعوت کی کہ ارے! نہ اس سے اللہ کا فائدہ ہے، نہ اس سے ان کا فائدہ ہے۔ جو ان کے وجود کا فائدہ تھا، جو ان کی ہدایت کا فائدہ تھا، اس فائدہ کو اس تصور سے تقویت ہوتی ہے اور اب یہ شرک ہی کے باب کا جزو پھر آ گیا بدعت میں کہ وہ قوم جو شرک شرک کی آواز بلند کرتی ہے، وہ تو وسیلہ کی بھی منکر ہے اور توسل کو بھی کہتے ہیں کہ شرک ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں قرآن کی آیت پڑھتا ہوں، اس کا صرف ترجمہ آپ دیکھئے گا، ضروری نہیں ہے کہ کوئی تفسیر بھی آپ دیکھیں ارشاد ہو رہا ہے:

لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا یعنی گناہ کئے تو ''جاؤك'' وہ آپ کے پاس آتے۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ مسجد میں جاتے؟ گناہ کئے ہیں خدا کے اور بھیجا جاتا ہے رسولؐ کے پاس۔

یہ کیوں نہیں ہوا کہ جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کئے یعنی گناہوں کا ارتکاب کیا تو ''جاؤك''، آپ کے پاس آتے۔ عربی سے واقف افراد جانتے ہیں ''ف'' بلاتاخیر کیلئے آتی ہے۔ پرانے زمانہ میں ترجمہ اس کا ہوتا تھا ''پس''، اب وہ ہماری اردو پس والی نہیں رہی۔ تو اب وہ مفہوم یوں ادا ہوتا ہے کہ

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا

یعنی آپ کے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت کے طلبگار ہوتے۔

اتنا بھی نہیں کیجئے رسولؐ کے پاس آئے، ان کے سامنے ان کی بارگاہ میں اللہ سے مغفرت طلب کی۔

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

اور پھر رسولؐ بھی ان کیلئے شفارش کرتے اس سے۔ رسولؐ ان کیلئے استغفار کرتے۔

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

''پھر پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا''۔

تو اب اللہ تو ہے اپنی جگہ توّاب۔ اب اگر یہ بات نہ ہو تو کیا وہ توّاب نہیں ہے؟ وہ ہے اپنی جگہ رحیم۔ اگر یہ نہ ہو تو کیا وہ (معاذ اللہ) اپنی جگہ رحیم نہیں ہے؟ نہیں، یہ اگر نہ ہو تو اس کی وہ توابیت تمہارے شامل حال نہ ہوگی۔ یہ نہ ہو تو اس کی رحمت تمہاری شامل حال نہ ہوگی۔ لیکن اگر ایسا کرو کہ رسولؐ کے پاس آؤ اور رسولؐ کے پاس آکر آپؐ کے سامنے خود استغفار کرو اور پھر رسولؐ تمہارے لئے استغفار کریں تو اللہ کو پاؤ گے توبہ قبول کرنے والا۔ یہ اس وقت پاؤ گے۔ ہے تو وہ یوں اپنی جگہ لیکن ان پر فیضانِ رحمت اس وقت ہوگا۔

تو اب یہ کیا ہے؟ یہ ایسے ہے کہ مرکز بنانا تھا ان کو خلائق کا۔ تو اب جب رسولؐ کے لئے قرآن مجید نے کہا تو دنیا، چاہے رسولؐ ہی کو اس نے دیکھا ہو، لیکن ہمیں اگر کچھ اور ہستیاں معلوم ہیں جنہیں اللہ کو منظور تھا مرکز بنانا اور اگر منظور نہیں تھا تو محبت کیوں جزو دین بنائی؟

اور یہ بات بلاتفریق فرقہ سب کے نزدیک مسلّم کہ محبت ان کی جزو دین جن کو ہم نہ مانتے ہوں محبت کرنے والا، وہ بھی محبت کو جزو دین مانتے ہیں۔ کہیں گے کہ محبت ان کی ہر مومن کا فریضہ ہے۔ بس نتیجہ میں نکالتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ ایسے افراد جن کیلئے خالق کو منظور ہو کہ گوشہ نشین رہیں، خلق خدا کو ان سے کوئی تعلق نہ رہے، یہ ان کی محبت کی دعوت دینا جو متفق علیہ ہے عالم اسلام میں، میرے نزدیک تو اس لئے ہے کہ ان کو مرکز اطاعت بنانا تھا اور ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ اطاعت محبت کے واسطے سے نہ ہو تو ناخوشگوار اور محبت کے ذریعہ سے ہو تو لذیذ ہو جاتی ہے۔

کسی راستے پر آپ روز جاتے ہوں لیکن کسی دن پابندی عائد کردی جائے کہ تم کو ضرور جانا ہوگا تو اس دن تکلیف دے گا جانا تو پابندی ناخوشگوار ہوتی

ہے۔ اطاعت لذیذ نہیں ہوتی۔لیکن کوئی ایسا جس کی محبت کا آپ دم بھرتے ہوں، وہ کوئی فرمائش کرے تو آپ اس میں روز سے زیادہ زحمت بھی ہو تو ایک قسم کی بالیدگی محسوس ہوتی ہے کہ ہم نے بہر حال یہ کام انجام دے لیا، چاہے کتنی ہی مشقت کیوں نہ ہوئی ہو!

معلوم ہوا کہ وہ زحمت، زحمت معلوم نہیں ہوتی جو برائے محبت ہو۔ اس لئے جن افراد کو مرکز اطاعت بنانا تھا، ان کو پہلے مرکز محبت بنا دیا۔ مثال کے طور پر یہ ہے کہ کوئی وہاں معلوم تھا رسولؐ کو کہ میرے امت کا ہر فرد ایسا نہیں ہے کہ وہ گھر میں خادمہ رکھ سکے تو بعد میں ایک کنیز سپرد کی۔ پہلے ہی دن کنیز نہیں دے سکتے تھے؟ مگر نہیں، رسولؐ تو یہ چاہتے تھے کہ اگر کوئی خاتون اپنے گھر میں بھی پیسے تو وہ فخر محسوس کرے کہ میں وہ خدمت انجام دے سکتی ہوں جو مخدومہؑ عالم انجام دیتی تھی۔ اگر اپنے گھر میں جھاڑو دے تو وہ ذلت محسوس نہ کرے بلکہ عزت محسوس کرے کہ شہزادی کائنات اور خاتونؑ جنت اپنے گھر میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتی تھیں۔

تو وہاں جو محبت کا قدم بیچ میں آجائے گا تو پھر ہر مشقت خوشگوار ہو جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ انہیں مرکز اطاعت بنانا تھا، لہٰذا ان کی طرف ہر حیثیت سے نگاہوں کو موڑنا تھا۔ ارے دنیاوی حاجتوں میں کسی کو شک ہو کہ ان کے ذریعے کام نکلتے ہیں یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ جنت کی فکر تو ہر ایک کو ہے۔ کوثر کا شوق تو ہر ایک کو ہے۔ تو اگر کوثر کا شوق ہے تو یاد رکھو کہ ساقی یہ ہے۔ لہٰذا کوثر کے شوق میں ہی اس کی طرف آئے، اس کا دامن نہ چھوڑو۔ ارے ہر مسلمان کو جنت میں تو جانا ہے تو یاد رکھو کہ جنت و نار کی تقسیم کرنا والا یہ ہے۔ لہٰذا اس کی طرف آؤ۔ یہ حدیث وہ ہے کہ مامون عباسی نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ آپؑ کے جد بزرگوار کی فضیلت

میں ایک حدیث سننے میں آئی ہے۔ وہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آپؑ نے فرمایا: کیا؟ کہا کہتے ہیں کہ رسولؐ کی حدیث ہے کہ اے علیؑ! تم جنت و نار کے تقسیم کرنے والے ہو۔ جنت و نار اللہ کی چیز ہے۔ اسے دوسرا کون تقسیم کرے گا؟ تو یاد ہی تصور شرک تھا۔ اللہ کو نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنے حکم سے تقسیم کرے گا، انؑ کو کہہ رہے ہیں کہ یہ جنت و نار کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

آپؑ نے فرمایا: ایک اور حدیث آپ نے سنی ہے، وہ سمجھ میں آتی ہے یا نہیں؟ وہ جو رسولؐ نے فرمایا:

یَا عَلِیُّ حُبُّكَ اِیْمَانٌ وَبُغْضُكَ نِفَاقٌ

اب یہ بھی صحاح میں موجود ہے۔ ''اے علیؑ! تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہارا بغض کفر و نفاق ہے۔''

مامون عباسی نے کہا کہ یہ تو بالکل صحیح ہے۔ یہ تو بالکل مسلم ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ پھر جنت و نار تقسیم تو ہو گئے۔ تو بس یہی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے یاد کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نذر کو یہ سمجھ کر نہ کیا جائے کہ یہ حکم شرع ہے۔ ایک چیز کو ہمارے ہاں علماء نے روک دیا۔ یہاں معلوم نہیں۔ ایک وقت میں بائیس رجب کے کونڈوں کے ساتھ ایک لکڑہارے کی روایت پڑھی جاتی تھی۔ اسے علماء نے منع کر دیا کہ اس میں نسبت ہے امامؑ کی طرف۔ ایک تو جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ امامؑ کا قول ہے یا فعل ہے، تو اس وقت تک یہ افترا و بہتان ہو جائے گا۔ اس لئے ہمارے ہاں کے علماء نے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا۔ چنانچہ ہمارے ہاں سب کے جہاں جہاں میرے علم میں بائیس رجب کے کونڈے ہوتے ہیں وہ روایت نہیں پڑھی جاتی ہے۔

تو زیادہ سے زیادہ کوئی فضول کہہ دے۔ لیکن اسے بدعت کہہ دینا ، شرک کہہ دینا، یہ بیکار کی بات ہے اور میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ زیادہ وقت دوسرے جزو پر صرف کروں گا یعنی یہ تو ہمارے ہاں کی تعریف تھی۔ اب دوسرے حضرات ، اکثریت والوں کے ہاں بدعت مقابلہ سنت ہے۔ یعنی ہمارے ہاں سنت تو واجب کے مقابلہ میں ہے۔ یہ واجب ہے، یہ سنت ہے۔ وہاں سنت ایک قرآن کے ساتھ ساتھ بولی جاتی ہے ،قرآن اور سنت اور ایک پھر بدعت کے مقابلہ میں کہ یہ سنت ہے اور یہ بدعت ہے۔ اس سنت کے معنی طریق رسولؐ اور طریق رسولؐ سے مراد قول رسولؐ ،فعل رسولؐ ،تقریر رسولؐ ،تقریر ہمارے ہاں یہ ہونے لگی کہ منبر پر یا سٹیج پر ہوتی ہے تو وہ تو قول رسولؐ میں داخل ہوگئی اور وہ منبر پر بھی اگر ہے تو قول رسولؐ میں داخل ہے۔

وہ یہ ہے کہ کوئی دوسرا کوئی کام کرے اور پیغمبر خدا ﷺ خاموش رہیں ، منع نہ کریں، اس کا نام ہے تقریر رسولؐ ۔تقریر کے کیا معنی ؟ یعنی برقرار رکھنا جب اس کی رد نہیں کی ، اس کو منع نہیں کیا تو یعنی برقرار رکھا۔ تو یہ ہے معیار سنت اور جو سنت قول رسولؐ میں ہو، نہ فعل رسولؐ میں، نہ تقریر رسولؐ میں اور وہ انجام دی جائے تو اسے کہتے ہیں بدعت ۔سنت کے مقابلہ میں بدعت ۔

اسے میں بھی مان لوں گا کہ ٹھیک ہے۔ سنت سے مطلب قول رسولؐ ،فعل رسولؐ ،تقریر رسولؐ ۔کیا مطلب ؟ یہ شکل جو اس وقت آرہی ہے تو اگر یہ معیار ہو جائے سنت و بدعت کا تو پھر ہمارا حج بھی بدعت ، ہماری مسجدیں بھی بدعت ، ہماری نمازیں بھی بدعت ۔ ہماری سب باتیں بدعت ۔ ہماری زندگی بدعت بلکہ ایک دفعہ ، ہنڈرسن اسلامیات کے پروفیسر ہیں لندن میں، ان کا خاص موضوع ہے ’’شریعت

اسلام میں ترمیم کی جائے‘‘ ۔اس موضوع پر وہ ہر جگہ بولتے ہیں۔ یہ ہے ان کا خاص موضوع ۔ وہ ہندوستان میں آئے تھے تو دہلی پہنچے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اس وقت صدر ہند تھے۔ انہوں نے ان کو کہہ دیا علی گڑھ جایئے گا۔ تو میرا نام لے دیا کہ ان سے ضرور ملئے گا۔ تو اب وہ پہلے ہی دن جو آئے تو مجھے تلاش کرنے لگے۔ پوچھنے لگے ایک ایک سے۔ خیر وہ اسلامی قانون کے پروفیسر ہیں وہاں ۔تو ہمارے ہاں قانون کے شعبہ میں ان کے لیکچر کا انتظام ہوا۔ گویا وہ ہم جنس جو تھے تو قانون کے شعبے میں ۔ چیئرمین نے مجھے کہلوایا کہ وہ جب سے آئے ہیں، آپ کو پوچھ رہے ہیں۔ لہٰذا عصرانے میں آپ آیئے تو وہاں آپ کی ان سے ملاقات ہو جائے گی۔

میں وہاں چلا گیا ۔تو اس وقت سے متعلق جو بات ہے، وہ یہ کہ فوٹو کھینچنے لگا۔ تو اس میں انہوں نے مجھ بھی بلوایا۔ تو صاحب! میں بیٹھ گیا تو انہوں نے گویا مجھ پر چوٹ کی ، میری مولویت سے فائدہ اٹھا کر کہ یہ بدعت تو نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ جی ، بدعت ہے تو پھر میں خود ہی بدعت ہوں ۔

تو اگر وہی شکل، تو آج ہمارا کونسا عمل اسی شکل میں آج ہے۔ رسولؐ کی مسجد ایسی تھی جیسی ہماری جامع مسجد ہوتی ہے؟ رسولؐ کے زمانہ میں جو حج ہوتا تھا، وہ کیا ان سواریوں پر ہوتا تھا جن پر اب ہوتا ہے اور رسولؐ کے ساتھ نماز جماعت میں کیا اتنا مجمع ہوتا تھا جتنا مجمع ہمارے ہاں ہوتا ہے؟ تو صاحب ! اگر یہ معیار ہے تو ہمارا لباس بھی بدعت ، ہماری غذائیں بھی بدعت ، ہماری سواریاں بھی بدعت ، ہماری عبادتیں بھی بدعت ۔تمام زندگی بدعت میں گزر رہی ہے ،دو چار بدعتیں اور سہی ۔تو یہ معیار نہیں ہے۔ معیار یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے ، یہ دیکھئے کہ کام وہی

ہے یا کام کچھ اور ہے۔ یہ اونٹوں پر جو ہوتا تھا، اس کا نام کیا تھا؟ حج۔ اور یہ جو موٹروں پر جا کر کام ہوتا ہے، وہ حج کے سوا کچھ اور ہے؟ اگر حج ہی ہے یہ بھی تو وہ اونٹ پر حج تھا، اب یہ سواری پر حج ہے۔ موٹروں پر اور ہوائی جہاز پر۔ تو یہ بھی حج ہے جس طرح وہ واجب تھا اس طرح یہ واجب۔

ارے جو ایک دفعہ ہو چکا ہے اس پر وہ بھی سنت تھا یعنی مستحب اسی طرح یہ بھی سنت ہے یعنی مستحب۔ جو حکم اس کا تھا، وہی حکم اس کا ہوگا۔ اگر شکل نئی ہے اور بات وہی ہے، کام وہی ہے، تو ٹھیک ہے۔ میں نے خود تقریریں سنی ہیں کہ میلاد کے جلسوں میں یہ قمقمے اور یہ اتنی روشنی کا انتظام، یہ جھالریں اور مقررین کرام آ کر سب کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جو ہو رہا ہے، یہ کیا ہے؟ ذکر رسولؐ ہے یا کچھ اور ہے؟ اگر ذکر رسولؐ ہے تو وہ اندھیرے میں ہوتا، تب بھی عبادت، روشنی میں ہوتا، تب بھی عبادت۔ یہ ذہنیت میرے نزدیک قابل افسوس ہے کہ اپنے گھر میں روشنی ہو تو بدعت نہیں ہے، رسولؐ کے ذکر میں روشنی ہو تو بدعت ہوگئی۔ اب قرآن میں دیکھئے، قرآن کیا کہہ رہا ہے، انہیں ان کا ذکر منظور ہے یا نہیں؟ تو قرآن کہہ رہا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اے رسولؐ! ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کیا ہے۔

ماشاء اللہ صاحبان نظر ہیں، میں کہتا ہوں کہ قرآن نے جہاں اپنی وحدت پر زور دینا ہو، وہاں مَیں کہا ہے۔ موسیٰؑ سے کہا تھا ''اَنَا رَبُّكَ'' میں تمہارا پروردگار ہوں۔ ''اِنَّمَا اَنَا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' میں ایک اکیلا خدا ہوں۔ جہاں وحدت پر زور دینا ہوا ہے، وہاں مَیں کہا ہے۔ جہاں طاقت عمل دکھانا ہے وہاں ہم کہا ہے۔ ابھی

چند مثالیں عرض کروں گا۔ میں کہتا ہوں طاقت عمل دکھانا ہے، اس ''ہم'' میں مخالف طاقتوں کیلئے چیلنج ہوا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

دوسری مثال

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

اے رسولؐ! ہم نے آپ کو کثرتِ نسل عطا کی ہے۔

اب بنی امیہ اور بنی عباس کی سلطنتیں ختم ہو جائیں گی مگر آپ کی نسل ختم نہیں کر سکتیں۔ بس یونہی کہا گیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کیا ہے۔

یعنی لاکھ بدعت کے فتوے لگتے رہیں مگر آپؐ کے ذکر کو کوئی نیچا نہیں کر سکتا تو کام دیکھئے کہ وہی کام ہوتا ہے یا نہیں؟ اب جناب! یہ میلاد رسولؐ، اس پر جہاں جہاں بدعت کے فتوے لگتے ہوں، سب میں بس اتنا غور کیجئے، آپ کہتے ہیں کہ ہماری مجلس بدعت، بس اسی معیار پر لے لیجئے، مجلس میں دیکھئے کام کیا ہوتا ہے؟ آل رسولؐ کا ذکر۔ حالانکہ آل رسولؐ ہی کا نہیں، خدا کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ رسولؐ کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حسینؑ کی مجلس کی بدولت انبیاء کا ذکر بھی ہوتا ہے، مرسلین کا ذکر بھی ہوتا ہے، جتنے مقاصد اُلوہی ہیں، سب پورے ہوتے ہیں۔ اگر مجلس کا صحیح مقصد قائم رہے تو بنیادی طور پر بہرحال وہ ہمارا محاورہ ہے، ہمارے ہاں یونہی ہے

کہ جب فضائل بیان ہوں تو انہیں محفل کہتے ہیں ، جب مصائب بیان ہوں تو انہیں مجلس کہتے ہیں۔

اب یوں دنیاوالے ریڈیو کی تقریر کو بھی مجلس کہنے لگے اور ہماری مجلس کیلئے بدعت کے فتوے ہیں، اس کیلئے نہیں ہیں۔تو بہر حال میں تو اپنی زبان جو ہے مجلس کا محاورہ اسی کا ذمہ دار ہوں۔تو جناب! یہ محفل ہو یا مجلس ہو، اس میں کیا ہوتا ہے؟ رسولؐ اور آل رسولؐ کا ذکر۔تو اب دیکھئے پیغمبر نے کیا ہے ان کا ذکر یا نہیں؟ مجمع کے بدلنے سے کہ اس وقت دو آدمی تھے، اس وقت دو ہزار ہیں، اس سے تو کوئی کام بدعت نہیں ہوجاتا ہے۔ورنہ پھر حج کی تعداد دیکھئے کہ رسولؐ کی زندگی میں حج کرنے والے کتنے تھے، اب جب لاکھوں تک تعداد پہنچے تو سمجھئے کہ بدعت ہوگیا، تو بھئی کام اگر وہی ہے، کرنے والوں کی تعداد بڑھے یا گھٹے، کبھی مجلس میں دو آدمی ہوتے تھے، اس وقت دو ہزار ہوں۔اصل نوعیت عمل نہیں بدلتی۔جیسے نماز جماعت اگر ایک امام اور ایک ماموم ہو، تب بھی نماز جماعت اور اگر دس ہزار ماموم ہوں، امام کے ساتھ، تو نماز جماعت۔فرق نہیں ہوتا تعداد کے بدلنے سے۔تو اب جس کا نام مجلس ہے، اسے دیکھ لیجئے کہ رسولؐ کے ہاں اس کا نمونہ ہے یا نہیں؟

بس ایک روایت جناب ام سلمہؓ کی۔پیغمبرؐ خدا آئے جناب ام سلمہؓ کے ہاں اور حجرے میں تشریف لے گئے۔ارشاد فرمایا کہ وحی نازل ہونے والی ہے، کوئی میرے پاس نہ آئے۔دروازہ بند کردیا گیا۔تھوڑی دیر میں حسینؑ آئے، ادھر اُدھر دیکھا، پوچھا: ناناؐ جان کہاں ہیں؟ جو واقعہ تھا وہ انہوں نے بیان کیا کہ آپؐ حجرے میں تشریف لے گئے ہیں۔فرما گئے ہیں کہ کوئی نہ آئے۔اب اصل واقعہ جو ہے۔، جو الفاظ میری سمجھ میں آئے ہیں، وہ یہ کہ حسینؑ نے یہ پوچھا کہ کیا ہمیں بھی منع

کیا ہے؟ بس یہ آواز حسین علیہ السلام کی پیغمبرؐ خدا نے سنی۔پھر کیا ہوا؟ حسینؑ داخل ہو گئے کوئی بتائے، میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ جیسے انہوں نے پوچھا کہ کیا ہمیں بھی منع کیا ہے؟ پیغمبرؐ نے آواز سنی، فرمایا: ام سلمہؓ! میرے حسینؑ کو آنے دو۔حسینؑ داخل ہو گئے۔پھر دروازہ بند کرلیا گیا۔اب تھوڑی دیر میں جناب ام سلمہؓ کہتی ہیں، میں نے محسوس کیا کہ رسولؐ خدا گریہ فرما رہے ہیں۔اب ہر صاحب عقل محسوس کرے کہ جو حجرے سے باہر ہو اور حجرے کا دروازہ بند ہو، وہ فقط آنسوؤں کا گریہ محسوس نہیں کرسکتا۔ماننا پڑے گا کہ صدائے گریہ تھی جو جناب ام سلمہؓ نے محسوس کی۔اب یہ دروازے کے قریب آئیں، کہا: یارسولؐ اللہ! کیا میں آسکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، آسکتی ہو۔

یہ جو گئیں تو ان کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ خدا کے سینہ مبارک پر شہزادہؑ ہے اور زار زار گریہ فرما رہے ہیں۔انہوں نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! یہ گریہ کا سبب کیا ہے فرمایا: میرا بچہ جو آیا میرے سینے سے لگا تو ایک فرشتہ نے کہا: یارسولؐ اللہ! آپ اس بچے کو چاہتے ہیں؟ ذرا غور فرمایئے کہ یہ فرشتہ کس واقعہ کی خبر دینے آیا ہے۔ارے وہ تو وقت ولادت حسینؑ خبر دی جا چکی تھی۔اس دن میں بیان کر چکا کہ شہزادےؑ کو گود میں لاکر دیا گیا اور رسولؐ اللہ نے گریہ فرمایا۔تو پھر یہ اطلاع دینے کو آیا ہے؟ نہیں، اطلاع دینے نہیں آیا۔کہی ہوئی بات کو دہرانے آیا ہے۔یعنی اس ذکر کو تازہ کرنے آیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مجلس اسی کو کہتے ہیں۔مجھے حق ہے کہنے کا کہ یہ فرشتہ آیا ہے مجلس حسینؑ کرنے کیلئے۔اب یہ جو پوچھ رہا ہے، یہ سوال ہے۔واقعی کیا کہا؟ وہ نہیں جانتا کہ محبت کرتے ہیں؟ یہ پوچھنا کیا ہے؟ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تمہید ذاکری

مرتب کرر ہاہے۔ کہ آپؐ اس سے محبت فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں: خدا گواہ ہے کہ کتنی محبت کرتا ہوں! اب فرشتہ کہتا ہے: اچھا پھر یاد رکھئے کہ یہی وہ بچہ ہے جو آپؐ کے دین کی خاطر شہید ہوگا۔ مصائب کافی تفصیل سے ان سے بیان کر دیئے۔ اب جس وقت رسولؐ بیان ملک سے سن رہے تھے تو ملک ذاکر اور خود رسولؐ سامع۔ جب رسولؐ ام سلمہؓ سے بیان کر رہے ہیں تو اب رسولؐ ذاکر اور ام سلمہؓ اور خود حسینؑ سامعین ہیں۔

بس دو الفاظ میں حقیت عرض کرتا ہوں کہ ہماری مجالس کے دو ہی کردار ہوتے ہیں، ایک کردار ذاکر کا ہوتا ہے، ایک کردار سامعین کا ہوتا ہے۔ جو ذاکر کا کردار ہوتا ہے، وہ بھی عمل رسولؐ اور جو سامعین کا کردار ہوتا ہے، وہ بھی عمل رسولؐ۔ تو مجلس کا تو ہر جز و سنت ہے۔ بدعت کہاں قدم رکھے گی؟ اور بس یہیں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ رسولؐ نے جب سنا تو وہ روئے تھے یا نہیں؟ رو ہی رہے تھے نا اور آواز کے ساتھ رو رہے تھے۔

تو اب یاد رکھئے کہ اب گریہ بدعت نہیں ہے، نہ رونا بدعت ہے۔ رونا بدعت نہیں ہے اور یہ حدیث ایسی ہے کہ بڑی مشہور شخصیت ہے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ ایک دن سِرُّ الشہادتین کا مضمون پڑھ چکا ہوں کہ حسین کی شہادت رسولؐ کی شہادت ہے۔ ان کی دوسری کتاب ہے ''فتاویٰ عزیزیہ''۔ وہ لوگوں کے سوالات ہیں اور ان کے جوابات، وہ بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ چھپی ہوئی موجود ہے ''فتاویٰ عزیزیہ''۔ اس میں کسی نے کہا کہ آپ کا عمل روز عاشور کیا ہوتا ہے؟

انہوں نے لکھا ہے کہ جو میرا عمل ہے، وہ میں درج کرتا ہوں کہ عصر کے

وقت میرے پاس میرے احباب، معتقدین، مخلص لوگ عاشور کے دن جمع ہوتے ہیں اور فقیر خود منبر پر جاتا ہے اور کچھ احادیث رسولؐ فضائل حسینؑ میں اور کچھ احادیث جو شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق وارد ہوئی ہیں، جیسے حدیث ام سلمہؓ، تو یہ اتنے پائے کی حدیث ہے، اس کے بعد کچھ شہادت امامؑ کے حالات بیان کرتا ہوں۔ واقعہ کربلا کے حالات اور کچھ جو خواتین بنی ہاشم نے بعد واقعہ کربلا راتوں کو جنات کی مرثیہ کی آوازیں سنی ہیں وہ اشعار بھی درج ہیں۔ راتوں کو، آدھی آدھی پہر رات گزرے ہوئے مابین فضا و آسمان۔ مرثیے کے اشعار جو پڑھے جاتے تھے وہ اشعار لوگوں نے درج کر دیئے ہیں۔ کتابوں میں درج ہیں۔ وہ بیان کرتا ہوں اور اس وقت مجھ فقیر پر بھی گریہ طاری ہوتا ہے اور جو حاضرین ہوتے ہیں، ان پر بھی گریہ طاری ہو جاتا ہے۔

تو یہ جناب ام سلمہؓ کی روایت ہے۔ اس کے ساتھ صحیح ترمذی کی روایت ہے۔ بس اسی پر ختم کر دوں گا کہ جناب ام سلمہؓ نے یہ سنا حضرتؐ نے فرمایا کہ فرشتہ نے کہا کہ آپ وہ زمین دیکھنا چاہتے ہیں جہاں یہ واقعہ پیش آئے گا؟ میں کہتا ہوں کہ اب دیکھئے کہ زیارتِ کربلا کی سنت قائم ہو رہی ہے۔ رسولؐ فرماتے ہیں: ہاں! دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو رسولؐ مشتاق زیارت ہوں، ہم نہ ہوں۔ یاد رکھئے کہ حالت گریہ میں جو دعا ہو، وہ امید ہے کہ مستجاب ہو۔ یاد رکھئے کہ جو رکاوٹیں زیارت کی راہ میں ہیں اور جو اشخاص حائل ہیں، خداوند عالم ان حالات میں انقلاب پیدا کرے۔

تو ملک نے اشارہ کیا، زمین کربلا سامنے نمودار ہوئی۔ اب مجلس تفصیل کے ساتھ ہو رہی ہے جیسے مجلس ہو رہی ہو زبانی اور پھر مرقع سامنے آجائے تو اثر مجلس

میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اب ملک تفصیل سے کہہ رہا ہے۔ دیکھئے! وہ جگہ ہے جہاں خیمے نصب ہوں گے۔ اب جو جو اس نے کہا، اپنے وقت میں کہا ہو، وہ جگہ ہے جہاں عباسؑ کے شانے قلم ہوں گے۔ وہ جگہ ہے جہاں علی اکبرؑ کے نیزہ لگے گا۔ جو جو کہا ہو، اس سب کی تفصیل مجھے کیا معلوم کہ کیا کیا اس نے کہا۔ ایسا تھا کہ رسولؐ پر اتنی دیرے سے گریہ طاری تھا اور اب آپؐ نے فرمایا کہ ملک نے یہ کہا ہے کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر خاک کی مٹھی لی اور مجھے دی ہے کہ یہ خاک ہے اس زمین کی۔ جب یہ خاک خون ہوجائے تو سمجھئے گا کہ آپؐ کا فرزند شہید ہوگیا۔ پیغمبر خدا ﷺ کی مٹھی میں خاک تھی۔ وہ آپؐ نے جناب ام سلمہؓ کے سپرد فرمائی۔

یہ اللہ کے دیئے ہوئے علم سے بتانا تھا کہ تم اس وقت زندہ ہوگی۔ جناب ام سلمہؓ نے وہ خاک حفاظت سے شیشی میں رکھ دی۔

مصائب

اب کتنا زمانہ گزرا۔ پورا امیر المومنین علیہ السلام کا دَور گزرا، پھر امام حسن علیہ السلام کا زمانہ گزرا، امام حسین علیہ السلام کی عمر کے دس برس بعد امام حسنؑ گزرے، یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام نے سفر کربلا کیا اور وہ خاک وہاں ہے اُس شیشی میں۔ اب جب حسینؑ سفر پر گئے تو ذریعہ تسلی وہ خاک ہے، یہ اُسے دیکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ابھی حسینؑ زندہ ہیں اور اب مدینہ میں ہیں۔ کون کون، ایک تو یہی چاہنے والی نانی اور ایک وہ خاتونِ معظّمہ جس نے اپنے چار شیر اور بہادر بیٹے امام حسینؑ کے ساتھ بھیج دیئے۔ ارے ایک کو بھی تو اپنے پاس نہیں رکھا۔ وہ جنابِ اُم البنین، بیوۂ حضرت امیر المومنین علیہ السلام، یہ لوگ تو یقینی تھے۔

اور کچھ روایتوں میں ہے کہ ایک بیمار بیٹی بھی تھی، اس کو بھی مدینہ میں

چھوڑا تھا حسینؑ نے اور میرا دل کہتا ہے کہ یہ روایت ٹھیک ہے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنابِ اُم البنینؑ، جنابِ زینبؑ کا ساتھ نہ چھوڑتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کا کچھ کام تھا جو اُن کے سپرد کر کے گئے تھے۔ ہماری بیٹی کی تیمارداری، تو اب اُمِ سلمہ جب دم اُلٹتا ہے، جا کر خاک کو دیکھتی ہیں، تسلی ہوجاتی ہے، جا کر فاطمہ صغریٰ کو بھی تسلی دیتی ہیں کہ تمہارے بابا زندہ ہیں۔ تفصیل سے اب عرض کرنے کا موقعہ نہیں وقت ختم ہوگیا ہے۔ اب جب سے نمودار ہوا محرم کا چاند، دل کی اُلجھن کچھ ایسی بڑھ گئی کہ روز آ کر خاک کو دیکھتی ہیں اور اصلی حالت پر پاتی ہیں۔ مگر راوی نے نہیں بیان کیا، آپ سے پوچھتا ہوں جو حالات آپ کو معلوم ہیں، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، ایسا تو نہیں تھا کہ ساتویں محرم سے جب پانی سامنے آئے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ چاہے سمجھ میں نہ آئے کہ یہ بات کیا ہے؟ یہ پانی میں خاصیت ہوگئی ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ وہاں پانی بند ہوگیا ہے، وہاں چھوٹے چھوٹے بچے صدائے العطش بلند کر رہے ہیں۔ غرض اب دس محرم کو صحیح ترمذی کا بیان ہے، جنابِ اُمِ سلمہ خاک کو جا کر دیکھتیں، کبھی فاطمہ صغریٰ کو جا کر تسلی دیتی تھیں، سارا دن اسی پریشانی اور تگ و دو میں گزرا، عصر سے قبل اپنے حجرے میں خاک پر لیٹ کر سو گئیں۔

صحیح ترمذی کی روایت ہے کہ جنابِ اُمِ سلمہ کہتی ہیں کہ خواب میں عصر کا وقت آگیا، اب ادھر عصر کا ہنگام آیا اور رسولؐ اللہ کے سر پر عمامہ نہ تھا۔ بہت سی باتیں ناواقفیت سے لوگ نہیں سمجھتے، صحاحِ ستہ سب کی مانی ہوئی ہیں، میں کہتا ہوں کہ اب سر برہنہ ہونا غمِ حسین میں بدعت نہیں ہے، رسولؐ اللہ بغیر عمامہ کے ہیں اور ہاتھ میں ایک شیشی ہے جیسے اُس دن شیشی تھی۔ اُس میں وہ خاک تھی، آج ایک شیشی ہے جس میں خون جوش مار رہا ہے اور اس کے بعد کیا ہے کہ سر اور داڑھی پر خاک پڑی ہوئی ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، اُمِ سلمہ خواب میں پوچھتی ہیں: یا رسولؐ

اللہ! یہ کیا؟ فرماتے ہیں: تمہیں خبر نہیں کہ میرا فرزند حسینؑ شہید ہو گیا؟ اس کے بعد فرماتے ہیں: صبح سے اس وقت تک میں کربلا میں تھا، میرے سر اور ریش پر خاکِ کربلا ہے۔ اب خاک رسولِ اکرمؐ کے سر اور داڑھی پر ہو، پاک نہیں ہو گی تو اور کیا ہو گی؟ فرماتے ہیں: حسینؑ اور انصارِ حسین کا خون ہے۔ اسے میں دن بھر جمع کرتا رہا ہوں۔ اگر یہ کام کبھی کام آنے والا نہیں تھا تو رسول کیوں جمع کر رہے تھے؟ معلوم ہوتا ہے اس کا مقصد شفاعت ہے، اس خون سے شفاعتِ اُمت کا کام لیں گے۔ اُمِ سلمہ بیداری ہوئیں تو جا کر خاک کو دیکھا، اُس میں خون جوش مار رہا تھا، سمجھ گئیں کہ حسینؑ شہید ہو گئے۔ قبر رسول کے پاس آئیں تو محسوس یہ ہوا کہ قبر تھرتھرا رہی ہے۔ اب خیال ہوا کہ جا کر دیکھوں کہ فاطمہ صغریٰ کا کیا عالم ہے؟ جا کر جو دیکھا تو رُخ ہے عراق کی طرف، گریبان پھٹا ہوا ہے، ارے بابا! آپ پر کیا گزر گئی، میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔